دارالعلوم کراچی کا ترجمان
ماہنامہ
البلاغ
ماہ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء
بانی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

جلد ۲۴

محرم الحرام ۱۴۱۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء

شمارہ ۱

قیمت فی پرچہ چھ روپے

سالانہ ستّر روپے

سالانہ بدل اشتراک :

بیرونِ ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

ریاستہائے متحدہ امریکہ / ۲۸۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، نائجیریا

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ / ۲۳۰ روپے (بنگلہ دیش/۸۰ روپے) سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت / ۲۰۰ روپے

ناشر: محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی

پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۷۵۱۸۰

فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷

ترتیب

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر

حمد و ستائش اُس ذات کے لئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

پاکستان پر مغرب کی نظریں اس وطن کے روزِ تاسیس سے جمی ہوئی تھیں، انگریز کا استعمار جسمانی طور پر آج سے ۴۲ سال قبل ہی رخصت ہو گیا تھا لیکن انگریز یہاں سے نکلنے کے باوجود اپنے دو صد سالہ دورِ استعمار میں ایک ایسا مضبوط حلقہ پیدا کر گیا جو اپنی ذہنی سوچ اور اپنے طرزِ عمل کے لحاظ سے پوری طرح انگریز کا جانشین بنا، آزادی کے حصول کے بعد اس طبقے نے اس وطن میں اسلامی اقدار و روایات کا راستہ روکنے، شریعت کے علی الرغم قوانین نافذ کرنے، یہاں کے لوگوں کے ذہنوں سے اسلامی تشخص کا تصور مٹانے اور باہمی تعصبات کو ابھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، حکومت پر بھی زیادہ تر اسی ذہنیت کے لوگوں کا تسلط رہا اور انہوں نے اپنے تمام اختیارات، انتظامی مشنری اور قومی دولت کو خالص اسی غرض کیلئے استعمال کیا کہ پاکستان کو ماڈرن سیکولر ریاست بنا دیا جائے، دستورِ پاکستان میں اگر اسلام کی نسبت سے کوئی دفعہ تھی بھی تو اس کی حیثیت غیر مؤثر تھی، قرارداد مقاصد بھی بس تبرک کیلئے دیباچے کے بطور شامل کی گئی تھی، اسلام کے نام پر بے شمار قربانیوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا یہ ملک جس کو اپنے ہر ادارے میں دینِ حنیف کا مظہر ہونا چاہیئے تھا اس کے کسی بھی شعبہ میں ابنائے وطن کے تصور کے مطابق کوئی مستحسن تبدیلی نہیں آئی، یہاں کا سیاسی نظام، حکومت کا طرز اور اس کی ہیئت ترکیبی، اس وطن میں سرکاری اہل کاروں کا

معیارِ تقرر اور اہلِ وطن کے ساتھ ان کا رویہ ، ملک کا معاشی ڈھانچہ ، عدالتی نظام ، انتظامی مشنری ، ذرائع ابلاغ کا استعمال اور تعلیمی پالیسی یہ تمام ادارے اُسی سابقہ ڈگر پر چلائے گئے جس پر انگریز چھوڑ کر گیا تھا بلکہ بعض معاملات میں تو کچھ قدم آگے بڑھا کر دینِ حنیف کے طے شدہ منصوص احکام کو پامال کیا گیا ۔

غرض یہ کہ بہت سے انتظامی اور ثقافتی اقدامات سے اِس ملک میں اسلام کو زیر کرنے ، اس کا راستہ روکنے اور اُسے بے اثر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ـــــــ البتہ اِس عرصہ میں جب کبھی رائے عامہ کا دباؤ شدت اختیار کر گیا اور اصحابِ اقتدار کو اسلام کی طرف قدم بڑھانے میں اپنے اقتدار کا تحفظ نظر آیا تو بادلِ ناخواستہ ایسا کر لیا گیا ،

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا ، نائٹ کلبوں کو بند کرانا اور اتوار کے بجائے جُمعہ کے دن کو تعطیل کا دن قرار دینا انہیں حالات کا ایک کرشمہ ہے ۔

پاکستان میں حکومتوں کا طرزِ عمل مایوس کُن رہا ہے ، ہر آنے والی حکومت نے اپنے شباب میں ملکی اور قومی مسائل کی طرف توجہ دینے کے بجائے ایک طرف حزبِ اختلاف کے مقابلہ میں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے حربے اختیار کئے اور دوسری طرف اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے کفر اور الحاد کے ناقوس بجائے اور جب اقتدار بوڑھا ہو گیا اور دم توڑنے لگا تو اسے آخری خوراک (DOSE) دینے کیلئے اسلام اسلام کی اذانیں شروع کی گئیں ، کاش ! اِس طبقہ کو اِس ٹانک کا احساس روزِ اول سے ہو چکا ہوتا تو پاکستان کا قومی وجود اِس وقت کتنا توانا ہوتا ۔

پاکستان کی ۴۲ سالہ سیاسی زندگی میں پچھلے گیارہ سال کا وہ دَور بھی شامل ہے جس کا آغاز ۵ جولائی ۷۷ء سے ہو گیا تھا ، اِس وقت ہم اِس دَور کی خوبیوں اور خرابیوں پر کوئی مفصل تبصرہ نہیں کرنا چاہتے ، تاہم معروضی طور پر اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ملک کے ہر باشندے کے سامنے ہے کہ اِس دَور میں پاکستان کا نظریاتی تشخص بحال ہونا شروع ہوا تھا ، ملک کی فضا میں شرافت آنے لگی تھی ، بیرونِ ملک بالخصوص عالمِ اسلام میں وطنِ اسلامی کا وقار بڑھا تھا ، جہادِ افغانستان کیلئے سابقہ حکومت نے خونی سپر طاقت کے سامنے جس مدبرانہ پامردی کا ثبوت دیا وہ سیاست ، بین الاقوامی تعلقات اور حرب و ضرب کی تاریخ کا روشن باب ہے ـــ نو سال تک لگاتار افغان مجاہدین کی نصرت کرنا اور ان کا اِس قدر حوصلہ بڑھانا کہ وہ رُوسی درندوں کو اپنے ملک سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں اور اِس علانیہ نصرت کے باوجود اپنے ملک کو جنگ کے شعلوں سے محفوظ رکھنا موجودہ عالمی صورتِ حال میں ناقابلِ یقین لیکن بدیہی حقیقت ہے ، اِس دَور میں ذرائع ابلاغ کی پالیسی

میں بھی کافی حد تک مثبت تبدیلی آگئی تھی اور کم از کم ان کے ایسے پروگراموں میں نمایاں کمی آئی تھی جن سے فحاشی و عریانی کو باقاعدہ انگیخت کیا گیا ہو یا دینی اقدار کا تمسخر اڑایا گیا ہو۔

تاہم اس طویل دور میں اسلام کی عملی تنفیذ زبانی اعلانات کے مقابلے میں بہت کم ہوئی، زبانی اظہار کی کثرت سے بیرون ملک دشمن چونک اٹھے، یہودی لابی نے پورے یورپ کو پاکستان کی اسلام پرستی سے ڈرایا، یہاں تک کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر اسرائیل کے فضائی حملے تک کے خطرات منڈلانے لگے، اس دورِ حکومت میں قادیانیوں سے متعلق دستوری ترمیم کی روشنی میں جو قانون سازی کی گئی تھی اس پر برہم ہو کر قادیانیوں نے بھی واویلا مچانا شروع کر دیا اور امریکی سینیٹ تک میں اس کی بازگشت سنی گئی، اس دور میں اگر اسلام کا معتد بہ عملی کام ہو چکا ہوتا تو آج دنیا عدالت و معیشت اور طرزِ حکومت کے ایک حکیمانہ تجربے سے روشناس ہوتی اور شاید بھٹکا ہوا ابنِ آدم اپنی اس گم کردہ منزل کی طرف لپک کر آجاتا: ؂

مزدکی ہو کہ فرنگی ہوسِ خام میں ہے
امنِ عالم تو فقط دامنِ اسلام میں ہے

اس دور میں شریعت اسلامیہ کی طرف بطور پیش رفت کے دستور میں بھی بڑی سود مند ترمیمات کی گئیں، قطع نظر ان سیاسی اقدامات کے جن پر بحث و مباحثہ کی گنجائش ہے اگر انہی ترمیمات و اصلاحات کو دیکھا جائے جو دینی نقطۂ نظر سے کی گئی تھیں تو ان سے کسی ذی شعور مسلمان کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

مثلاً رکن پارلیمنٹ ہونے کیلئے باعمل مسلمان ہونے کو لازمی قرار دیا گیا تاکہ کوئی نام نہاد مسلمان اہلِ وطن کو دھوکہ نہ دے سکے ——— قرار داد مقاصد کو دستور کا مؤثر جزء بنا دیا گیا ——— وفاقی شرعی عدالت کے ذریعہ ملک کے خلافِ شرع قوانین کی تنسیخ کا راستہ نکالا گیا ——— سپریم کورٹ کی سطح پر شریعت بنچ قائم کر کے احکامِ شریعت کی تنفیذ اور ان کے جائزے کا معقول انتظام کیا گیا ——— قادیانیوں کے بارے میں قانون سازی کی گئی اور مسلمانوں سے ان کے اس امتیاز کو عملاً نمایاں کیا گیا جس کی بنیاد اس سے پہلے دستوری ترمیم کے ذریعے ڈالی گئی تھی ——— جداگانہ انتخابی نظام کے ذریعہ مسلم اہلِ وطن کے معاملات میں غیر مسلم اقلیتوں اور قادیانیوں کی مداخلت کا راستہ روکا گیا ——— اسلامی نظریاتی کونسل کی کارکردگی میں نمایاں فرق آیا ——— زکوٰۃ و عشر کا نظام رائج کیا گیا جس کی تنفیذ قرآن و سنت کی رو سے حکومت اسلامیہ کے فرائض میں سے ہے۔

احترام رمضان آرڈیننس بھی اس دَور کے دستوری اصلاحات کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعہ برسرِعام کھانے پینے اور ماہ مقدس کی بے حرمتی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

اس دَور کا ایک اہم اصلاحی قدم حدود آرڈیننس بھی ہے جس کے ذریعہ چوری، ڈکیتی شراب، زنا اور قذف کی وہ شرعی سزائیں نافذ کی گئی ہیں جو قرآن وسنت میں واضح اور منصوص طریقے سے ثابت ہیں، جن پر عہدِ رسالت، عہدِ صحابہ اور تاریخِ اسلام کے طویل دَور میں عمل ہوتا رہا ہے اور یہ سزائیں موجودہ دَور میں بھی بعض مسلم ممالک میں قانوناً رائج ہیں، شریعت کی ان منصوص سزاؤں کو حدود کہا جاتا ہے اور یہ آرڈیننس انہیں حدود اللہ کی تنفیذ کیلئے جاری کیا گیا ہے اور دستور کا جزء بنادیا گیا ہے۔

لیکن اب نئی حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ان اقدامات کو بے اثر بنانے اور ان کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک سلسلہ جاری ہے، بلکہ بعض حلقوں کی طرف سے دبی دبی زبان میں سیکولرازم کی باتیں ہونے لگی ہیں، اور اگر زبان سے نہیں، تو عمل سے سیکولرازم کے نظریئے کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں ایسے روشن خیال اور اپ ٹوڈیٹ لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہیں اپنے بارے میں ترقی پسند ہونے کا زعم ہے اور وہ ریاست کیلئے دین کو نہیں سیکولرازم کو مشکلات کا حل قرار دیتے ہیں، سیکولرازم کا نظریہ کسی غیر اسلامی ملک کیلئے تو معقول ہوسکتا ہے اس لئے کہ دنیا میں کسی کلیسا، سیناگاگ یا کسی مندر کے پاس آسمانی تعلیمات کا کوئی مستند مجموعہ نہیں ہے عیسائیت ہی کو دیکھ لیجئے جس کی آبادی دُنیا کے دوتہائی کے قریب ہے لیکن "بائبل" کے نام سے جس آسمانی کتاب کا ان کو دعویٰ ہے اس میں بے شمار تحریفات نے اس کی کتاب سماوی ہونے کی نفی کردی ہے، تفصیل دیکھنی ہو تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اظہار الحق" پڑھ لیجئے جس کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے تین جلدوں میں بڑی تحقیق وتدقیق کے ساتھ آڈٹ کرکے شائع فرمادیا ہے۔

حضرت مولانا کی طرف سے اس کا مفصل مقدمہ "عیسائیت کیا ہے؟" بطورِ خاص قابلِ مطالعہ ہے، یہ تو اس کتاب کی حقیقت ہے جس کے آسمانی ہونے کا دعویٰ ہے، اس کے علاوہ بھی اس پوری عیسائی دُنیا کے پاس حضرت مسیح علیہ السلام (جو عیسائیوں کی نظر میں نبی نہیں بلکہ خداوند ہیں) کی تعلیمات، معمولات اور ہدایات کا کوئی معتدبہ حصہ موجود نہیں ہے، ایسی صورتِ حال میں اگر وہ رہبانیت زدہ، کھوکھلے کلیسا کی جگہ اپنی عقل وفہم سے

واقعات کی دُنیا میں، حالات ـ سے گزرگزر کر کچھ قوانین سوچتے اور نافذ کرتے ہیں تو یہ ان کی مجبُوری بھی ہے اور ضرورت بھی، یہی حال یہود و ہنود کا بھی ہے۔

لیکن اسلام اِس دُنیا کا وہ واحد دین ہے، جس کی تعلیمات ۱۴ صدیاں گذرنے کے باوجود زندہ جاوید ہیں، قرآن کریم جو شریعت اسلامیہ کا اصل مأخذ ہے، بحمد اللہ اپنی تمام تر لفظی اور معنوی خصُوصیات و تفصیلات کے ساتھ محفوظ ہے، پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر ہر جز، مُستند روایات سے (جو تاریخی روایات سے بدرجہا زیادہ قطعی ہیں) اُمّتِ مسلمہ کے سامنے ہے، تعلیماتِ نبویؐ کے علاوہ صحابہؓ اور تابعین کا دَور، اِس دَور کے شرعی فیصلے، علمی تحقیقات اور بعد کے ادوار میں علمائے راسخین کی بیش قیمت علمی شاہکار یہ سب شریعت اسلامیہ کا قیمتی اثاثہ ہیں جو اُمّت مسلمہ کیلئے سرمایۂ افتخار ہے۔

اس لئے اہلِ اسلام کو اِس دینِ حنیف کی موجودگی میں جس کے حکیمانہ احکام ہر دَور میں بنی نوع انسان کیلئے ہر طرح کے صلاح و فلاح کے ضامن ہیں، نری عقلیت کا پرستار بننے اور لامذہبیت کو اختیار کرنے کی نہ ضرورت ہے، نہ اِس سے اصلاحِ معاشرہ ممکن ہے اور نہ ہی اسلامی معاشرہ میں اس نقطۂ نظر کا کوئی عقلی جواز ہے۔

یورپ کے قرونِ وسطیٰ میں جہاں رہبانیت کا غلبہ تھا اور مسیحیت اپنی گوشہ گیر مزاج کی وجہ سے حقوق العباد سے متعلق کوئی ہدایت و تعلیم رکھتی تھی نہ اصلاح معاملات کا کوئی لائحہ عمل، اُن حالات میں اِنسانی مشکلات حل کرنے اور معاملات کو سُلجھانے کا کوئی دُوسرا مدون طریقہ بھی رائج نہیں تھا اس لئے اُس قانونی خلائنے عیسائی آبادی کے ایک بڑے حصّے کو کلیسا سے بغاوت پر اُبھارا اور یوں سیکولرازم کی تحریک کا آغاز ہو گیا، تحریک کے بانیوں نے مسیحیت کو ناقص بتانے کے بجائے اِس نقطۂ نظر کی تبلیغ شروع کردی کہ دین اور اس کی ہدایت و تعلیم کو صرف انسان کی انفرادی زندگی تک محدود رکھا جائے، جس کا مطلب یہ تھا کہ :

اِنفرادی زندگی کے اِس محدود دائرے کے سوا ملک و ملّت اور دُنیا کے دیگر تمام معاملات محض دنیوی نقطۂ نظر سے اپنی صوابدید کے مطابق طے کئے جائیں اور اس بات کو قطعاً سامنے نہ لایا جائے کہ خدا کا کیا فرمان ہے اور اس کے دین کی ہدایات و تعلیمات کیا کہتی ہیں، اِس طرح سیکولرازم تہذیب جدید کا ایک نیا نظریہ حیات بنا جس نے گویا اپنا یہ کلمہ ایجاد کر لیا کہ "مذہب خدا اور اس کے بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ معاہدہ ہے" لہٰذا اِس نظریہ کی رو سے انسانوں کے باہمی معاملات اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبہ جات پر دین کا سایہ نہیں پڑنا چاہیئے، تعلیم،

معیشت، سیاست و حکومت، معاشرت، بین الاقوامی تعلقات، صلح و جنگ کے معاملات اور قانون و عدالت کے واقعات کو دین و شریعت کے نقطۂ نظر سے سوچنا یا حل کرنے کی تدبیر کرنا غلط اور محض تاریک خیالی ہے۔

حالانکہ عقل و خرد کی رو سے دیکھا جائے تو یہ خالص مہمل نظریہ ہے، خدائے بزرگ و برتر جس کے وجود اور وحدانیت کا ہم عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی کے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں، جب ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حکمت و دانائی کی گواہی دیتا ہے تو اس کی عملداری کو ہم صرف اپنی انفرادی زندگی تک کیوں محدود رکھتے ہیں، یہ کونسی منطق ہے کہ ایک تنہا انسان کا تو اس سے تعلق رہنا چاہیے لیکن جہاں ایک انسان کا معاشرت، معیشت، عدالت، سیاست و حکومت یا انسانی زندگی کے کسی اور راستہ میں دوسرے انسان سے رابطہ قائم ہو جائے تو باہمی طور پر مربوط اور مجتمع انسانوں کا اُس دانا و بینا ذات سے تعلق ختم ہو جائے، پھر تو انفرادی زندگی میں اس سے تعلق رکھنے کا تکلف کیوں ہو!

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی ذات میں کوئی الگ وحدت نہیں ہے وہ ایک متمدن معاشرے کا مربوط فرد ہے اور اپنی زندگی کے اوّلین آغاز ہی میں کم از کم اپنے والدین سے منسلک ہے، اُسے اس اجتماعیت سے کھینچ کر "منفرد" بنالینا ناممکن ہے، لہٰذا اگر کوئی "عقل" کا مارا یہ قرار دیتا ہے کہ انسان خدا سے پرائیویٹ طور پر اپنا تعلق رکھے تو اس کا عملی طور پر لازماً یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ اپنے ہر حال میں شیطان اور ہوسِ نفس کا غلام بن کر رہ جائے گا، اس کی زندگی آئے دن تبدیل ہونے والے کلیات و تصورات کی تجربہ گاہ بنے گی۔ راستی، انصاف اور اخلاق کی کسی طے شدہ قدر سے محروم، بہیمیت نفس کا شکار وہ پھر یہاں تک بھی پہنچ جاتا ہے کہ پارلیمنٹ سے "غیر فطری" گناہ کو "حلال" قرار دینے کا قانون پاس کرالیتا ہے اور تحسین و آفرین کی پُر جوش تالیوں سے اُس پر داد بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ برطانوی پارلیمنٹ میں اس کا مظاہرہ ہو چکا ہے۔

ایسے بے لگام ہوسِ نفس کو انسانی آبادی کا حاکم قرار دینا اور عدل و انصاف کی ترازو اس کے ہاتھ میں تھما دینا کیا عقل و خرد کی بات ہے؟ اللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

ائمہ مجتہدین کے فروعی اختلافات تفرّق ممنوع میں داخل نہیں

معارف القرآن : سورۃ الشوریٰ : آیت ۱۳ تا ۱۵

ائمہ مجتہدین کے فروعی اختلافات تفرق ممنوع میں داخل نہیں اس سے واضح ہوگیا کہ فروعی مسائل میں جہاں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا نصوص قرآن و سنت میں کوئی ظاہری تعارض ہے۔ وہاں ائمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کرلینا، جسمیں باہم اختلاف ہونا اختلاف رائے ونظر کی بنا پر لازمی ہے، اس تفرق ممنوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا اختلاف صحابہ کرام میں خود عہد رسالت سے چلا آیا ہے اور وہ باتفاق فقہاء رحمت ہے

اور اقامتِ دین سے مراد، اُس پر قائم دائم رہنا، اس میں کسی شک و شبہ کو راہ نہ دینا اور کسی حال میں اس کو نہ چھوڑنا ہے (قرطبی)

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۔ یعنی دین حق کا جسمیں توحید رکن اعظم ہے ابتداء عالم سے سب انبیاء علیہم السلام کے اتفاق سے حق ہونا ثابت ہو جانے کے باوجود جو لوگ شرک کے عادی ہو چکے ہیں ان کو آپ کی دعوتِ توحید بڑی بھاری معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ اہواء واغراض اور شیطانی تعلیمات کا اتباع اور صراط مستقیم کو چھوڑنا ہے جس کے اوپر ممانعت مذکور ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۔ یعنی صراط مستقیم کی

ہدایت کے دو ہی طریقے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو اپنے دین اور صراط مستقیم کے لئے منتخب فرما کر اس کی فطرت و طبیعت ہی کو اس کے مطابق بنادے جیسے انبیاء علیہم السلام اور خاص اولیاء اللہ جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ۔ (یعنی ہم نے ان کو ایک خاص کام کے لئے خالص کر دیا ہے جو آخرت کی فکر ہے اور خاص خاص انبیاء کے بارے میں قرآن نے مُخْلَصْ بفتح لام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ جس کے معنی منتخب اور مخصوص کے ہیں۔ یہی مفہوم ہے اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ کا یہ طریقہ ہدایت مخصوص و محدود ہے اور دوسرا عام طریقہ ہدایت پانے کا یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہو اور اس کے دین پر چلنے کا ارادہ کرلے تو اس کو اللہ تعالیٰ دین حق کی ہدایت کر دیتا ہے۔ یہ مطلب ہے دوسرے جملے وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ کا خلاصہ تفسیر ہے کہ ــــ ہدایت پانے کے صرف دو طریق ہیں، ایک خصوصی کہ اللہ تعالیٰ کسی کو خود ہی صراط مستقیم کے لئے منتخب فرمالے۔ دوسرا عمومی کہ جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہو اور اس کے دین حق کی تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مقصود ہدایت تک پہونچا دیتا ہے اور مشرکین مکہ کو جو کہ دعوتِ توحید بھاری معلوم ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ وہ دین کے سمجھنے اور اس پر چلنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ۔ مَا تَفَرَّقُوْا۔ کی ضمیر حضرت ابن عباس رض نے قریش مکہ کی طرف راجع فرمائی اور مطلب یہ قرار دیا کہ کفار قریش نے جو دین حق اور صراط مستقیم سے علیحدگی اور بیزاری اختیار کی۔ یہ فی نفسہ بھی سخت نادانی تھی، اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے علم آجانے کے بعد بھی انہوں نے ایسا کیا۔ علم آجانے سے مراد حضرت ابن عباس رض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آجانا ہے۔ جو سارے علوم الٰہیہ کے سرچشمہ تھے اور بعض حضرات نے مَا تَفَرَّقُوْٓا کی ضمیر پچھلی اُمتوں کے لوگوں کی طرف پھیری اور معنی یہ قرار دیئے کہ پچھلی امتوں کے لوگوں نے اپنے اپنے انبیاءؑ کے دین سے تفرق اور علیحدگی اختیار کی۔ باوجودیکہ ان کے پاس انبیاء کے ذریعہ صراط مستقیم کا صحیح علم آچکا تھا۔ اُمم سابقہ مخاطب ہوں یا امت محمدیہ کے کفار۔ دونوں کا تقاضا یہ تھا کہ خود تو گمراہی میں پڑے ہی اپنے رسولوں کو بھی اپنے راستہ پر چلانے کے خواہشمند تھے اس لئے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔

حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے اور ہر جملہ خاص احکام پر مشتمل ہے گویا اس ایک آیت میں احکام کی دس فصلیں مذکور ہیں۔ اس کی نظیر پورے قرآن میں ایک آیۃ الکرسی کے سوا کوئی نہیں۔ آیت الکرسی میں بھی دس احکام کی دس فصلیں آئی ہیں۔

پہلا حکم فَلِذٰلِكَ فَادْعُ یعنی اگرچہ مشرکین پر آپ کی دعوتِ توحید بھاری ہے۔ مگر اس کی وجہ سے آپ اپنی دعوت کو نہ چھوڑیں اور مسلسل اس دعوت کا کام جاری رکھیں۔ دوسرا حکم وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ہے یعنی آپ اس دین پر خود مستقیم رہیں۔ جس کی دعوت لوگوں کو دیتے ہیں اور یہ استقامت ایسی ہونی چاہیئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ یعنی تمام احکام عقائد۔ اعمال اخلاق و عادات و معاشرت میں صحیح اعتدال پر قائم رہیں۔ کسی طرف افراط و تفریط کا ادنیٰ سا میلان نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی استقامت آسان کام نہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض صحابہ نے آپ کے سفید بال آ جانے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا شَيَّبَتْنِي هُودُ یعنی مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ سورہ ہود میں بھی یہی حکم انھیں الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔ (معارف القرآن جلد چہارم ص۶۷۰ تفسیر سورہ ہود کے ضمن میں استقامت کے مفہوم اور اس کی دشواری اور اہمیت پر مستقل کلام کیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے) تیسرا حکم وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ یعنی اپنے فریضۂ تبلیغ میں آپ کسی مخالف کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ چوتھا حکم قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ یعنی آپ اعلان فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان سب پر ایمان ہے پانچواں حکم اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اس کا مفہوم ظاہر تو یہی ہے کہ میرے پاس جو معاملات باہمی جھگڑوں کے آدیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں ان میں عدل و انصاف کروں۔ بعض حضرات نے یہاں عدل کے معنی برابری کے لیکر آیات کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دین کے سب احکام کو برابر رکھوں کہ ہر نبی اور ہر کتاب پر ایمان لاؤں اور تمام احکام الٰہیہ کی اطاعت کروں۔ ایسا نہیں کہ بعض پر ایمان ہو بعض پر نہ ہو یا بعض احکام کی تعمیل ہو بعض کی نہ ہو۔ چھٹا حکم اَللّٰهُ رَبُّنَا یعنی اللہ ہمارا سب کا پالنے والا ہے ساتواں حکم لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ۔ یعنی ہمارے اعمال ہمارے کام آدیں گے تمہیں اُن کا کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچے گا اور تمہارے اعمال تمہارے کام آدیں گے مجھے ان سے کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچے گا۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ کفار سے جہاد کرنے کے احکام نازل نہ ہوئے تھے۔ احکام جہاد کی آیتوں نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ جہاد کا حاصل ہی یہ ہے کہ جو لوگ نصیحت و فہمائش کا اثر نہ لیں اُن سے قتال کر کے انھیں مغلوب کیا جائے یہ نہیں کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ نہیں اور مطلب آیات کا یہ ہے کہ جب ہم نے حق کو دلائل اور براہین سے ثابت کر دیا تو اب اس کا نہ

ماننا صرف عناد اور ہٹ دھرمی ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور عناد آگیا تو اب دلائل کی گفتگو فضول ہوئی تمہارا عمل تمہارے آگے میرا میرے آگے آوے گا (قرطبی)

آٹھواں حکم لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ حجت سے مراد بحث و مباحثہ ہے ۔ مراد یہ ہے کہ حق واضح اور ثابت ہو جانے کے بعد بھی اگر تم عناد سے کام لیتے ہو تو اب گفتگو فضول ہے ہمارے اور تمہارے درمیان اب کوئی بحث نہیں ۔ نواں حکم اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا یعنی قیامت کے روز ہم سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرما دیں گے اور ہر ایک عمل کا بدلہ دیں گے ۔ دسواں حکم وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ یعنی ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔

محمد رفیع عثمانی
مفتی و صدر دار العلوم کراچی

ہم افغانستان میں سات دن

ایمان افروز واقعات اور مشاہدات و تاثرات

۱۰

مجاہدین کی جو جماعت ہمارے دائیں جانب میدانی علاقے میں تھی، نماز مغرب کے بعد ہم سے آملی، ان کے پاس صرف راکٹ لانچر، گرنیڈ (دستی بم) اور کلاشنکوفیں تھیں، اِن کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اُس طرف سے اگر دشمن کا کوئی دستہ پیش قدمی کی جسارت کرے تو اُسے منہ توڑ جواب دیا جا سکے.

"دِہ شکہ" بھی گرجتی رہی:

بائیں جانب پہاڑ والی جماعت کے پاس "دِہ شکہ" (اینٹی ایرکرافٹ گن) بھی تھی، یہ جماعت ہمارے لئے زیادہ تر "او. پی" کے فرائض انجام دیتی رہی، اور جب دشمن کے گولے ہمارے قریب گرنے لگتے تو اُن کا رُخ بدلنے کیلئے اِکا دُکا فائر بھی کر دیتی تھی، ہم نے مغرب کی نماز شروع کی تو دُشمن پر وہی فائرنگ کرتی رہی.

نماز کے بعد ہم اپنی مارٹر توپ کے اجزاء الگ الگ کر کے واپس لوٹے تو خاصا اندھیرا ہو چکا تھا. دُشمن کی نظروں سے بچنے کیلئے کپڑے سب رنگین پہنکر آئے تھے ــ تقریباً ایک کلومیٹر تک پہاڑی راستوں میں پیدل چلنے کے بعد ایک پہاڑی کے دامن میں رُکے، تھوڑی دیر میں

ہماری دونوں جیپیں اور "ھینو" ٹرک وہیں پہنچ گئے، اور ہم سیدھے "خانی قلعہ" کی طرف روانہ ہو گئے ــــــ دشمن کی گولہ باری اب بھی جاری تھی، اور پہاڑ پر وقفہ وقفہ سے ہماری "دہ شکہ" بھی گرج رہی تھی۔ پہاڑ والی یہ جماعت صرف مرزگہ کے مجاہدین پر مشتمل تھی، تھوڑی دیر دشمن سے مڈبھیڑ کرنے کے بعد اسے بھی اپنے مرکز واپس چلا جانا تھا، جو یہاں سے بہت قریب ہے۔

دشمن کی گولہ باری سے بچنے کیلئے ہماری تینوں گاڑیاں لائٹ جلائے بغیر ہی سفر کر رہی تھیں، شعبان کی ۱۸ ویں شب کے باوجود بادلوں کی وجہ سے کافی اندھیرا تھا، اس حالت میں کچے پہاڑی راستے کے نکیلے پتھر، پیچ وخم اور نشیب وفراز بھی کم خطرناک نہیں تھے، ہر لحظہ کسی کھڈ میں لڑھک جانے یا کسی ٹیلے سے ٹکرا جانے کا قوی اندیشہ تھا، لیکن رگ وپے میں جو سرور وکیف سمایا ہوا تھا، اُس نے کچھ سوچنے کی مہلت نہ دی ــــــ البتہ ڈرائیور بہت پھونک پھونک کر آگے بڑھ رہے تھے۔

ہر پست ہر بلند سے گذرا مرا جنوں
سود وزیاں پسند خرد سوچتی رہی (حضرت کیفی ؒ)

جب یہ حسرت ہونے لگتی کہ جہاد میں شرکت بہت تھوڑے وقت، اور بہت معمولی سی جھڑپ میں ہوئی، کسی بڑے معرکے میں شرکت سے اب بھی محرومی رہی، تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مجھ جیسے کم کوش کیلئے بھی اُمید ورجا کا ایک نیا عالم سامنے کر دیتا تھا کہ:

"وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَغَدْوَةٌ اَوْ رَوْحَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا، وَلَمَقَامُ اَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَوَاتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً" (رواہ احمد)

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اللہ کے راستے (جہاد) میں ایک مرتبہ صبح یا شام کو نکلنا ساری دُنیا اور اُس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے، اور تم میں سے کسی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا، (گھر میں رہ کر) اُسکی ساٹھ برس کی نمازوں سے بہتر ہے۔"

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت تو اس وقت بھی سُرور وکیف میں دم بدم اضافہ کر رہی تھی کہ:

" قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ " (رواہ ابوداؤد)

"جہاد سے واپسی کے سفر میں بھی ویسا ہی ثواب ہے جیسا جہاد کے لئے جانے میں ہے۔"

دشمن کی پریشانی:

اُدھر دشمن کا یہ حال تھا کہ کمانڈر خالد صاحب نے وائرلیس پر اُسے جو سبق بالواسطہ پڑھا دیا تھا، وہ اُس کے ایسا ذہن نشین ہوا کہ جوں جوں رات کی تاریکی بڑھتی رہی، اُس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا گیا، اُسے یقین ہوگیا تھا کہ آج رات کی تاریکی میں ہمارے کئی مسلح دستے ہر طرف سے اُس کی جانب پیشقدمی کرینگے، اور قریب پہنچکر اچانک ہلہ بول دینگے، اس لئے وہ اپنے گرد و پیش میں اندھا دھند گولے برسا رہا تھا، جن میں ہمارا سُراغ لگانے کیلئے روشنی کے گولے بھی شامل تھے، مگر یہ سب کارروائیاں وہ ـــ ہمیں اپنے قریب سمجھ کر ـــ اپنے آس پاس ہی کرتا رہا، چنانچہ کافی دیر سے اُس کا کوئی گولہ ہمارے پاس سے نہیں گذرا تھا۔

ہماری جیپ سب سے آگے تھی، تقریباً نصف گھنٹہ بغیر لائٹ سفر کرنے کے بعد سست رفتاری سے اکتاہٹ ہونے لگی تو میں نے ڈرائیور کو سمجھایا کہ "اب تو ہم کافی دُور نکل آئے ہیں، اور دشمن اپنی اُدھیڑ بن میں گرفتار ہے، تمہیں صرف اپنی جیپ کی چھوٹی لائٹ کھول لینے میں مضائقہ نہیں، وہی لائٹ پچھلی گاڑیوں کیلئے بھی کافی ہوجائے گی" ـــ لیکن ابھی اس تجویز پر چند ہی منٹ عمل ہوا تھا کہ دشمن کے گولے ہمارے دائیں بائیں اور اوپر سے "شوں شوں" کرتے گذرنے لگے۔ فوراً لائٹ بجھادی گئی، ہم سب اپنی کلاشنکوفیں لیکر نیچے اُتر گئے اور منتشر ہوکر پیدل چلنے لگے، گاڑیاں ہمارے پیچھے رینگتی رہیں۔ دشمن نے ہماری طرف روشنی کے گولے بھی پھینکے، جو بہت آگے جاکر پھٹے، اس لئے وہ ہمیں نہ دیکھ سکا۔

اطاعتِ امیر ـــ ایک اہم جملہ معترضہ:

مجھے اپنی اس غلط تجویز پر اس لئے بھی ندامت ہوئی کہ ڈرائیوروں نے لائٹیں ظاہر ہے کہ کمانڈر صاحب ہی کے ایماء پر بند رکھی تھیں، میں نے اپنے امیر (کمانڈر صاحب) کو مشورہ دینے کے بجائے براہِ راست ڈرائیور کو مشورہ دے کر شرعی اصولِ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی تھی جو "اطاعتِ امیر" کے منافی تھی۔ کمانڈر صاحب نے تو خیر اپنی کسی بھی ادا سے ناگواری کا احساس نہ ہونے دیا، لیکن "امیر کی اطاعت" اہم جنگی اور فوجی اصول تو ہے ہی، شرعی فریضہ بھی ہے، قرآن حکیم نے سورۂ نساء میں اس کا حکم دیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، ـــ یہانتک فرمایا ہے کہ:

إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا ۔ (رواہ مسلم فی کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء)

"اگر تمہارے اوپر (بالفرض) کسی نکٹے، کنکٹے، لنجے لولے غلام کو بھی امیر بنادیا جائے، جو تمہاری قیادت قرآن کے مطابق کررہا ہو، تو اسکی بھی فرمانبرداری کرو۔"

متعدد احادیث میں امیر کی اہانت اور نافرمانی پر بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"وَمَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي"

(رواہ مسلم فی الباب المذکور)

"جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی"۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ ،

(رواہ مسلم فی الباب المذکور)

"مردِ مسلم پر (امیر کی) اطاعت فرض ہے، ہر معاملہ میں خواہ وہ اُسے پسند ہو یا ناپسند۔ مگر یہ کہ اُسے (امیر کی طرف سے) کسی گناہ کا حکم دیا جائے، پس اگر اُسے گناہ کا حکم دیا جائے تو اس میں کسی کی اطاعت جائز نہیں"۔

نام نہاد جمہوریت کے موجودہ دور میں شریعت کے اس حکم سے اتنی غفلت ہے کہ اسے شرعی فریضہ سمجھا ہی نہیں جاتا، انارکی کو آزادی کا نام دیدیا گیا ہے۔ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور تنظیموں کے کاموں میں خلل، انتشار اور ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ادارے اور تنظیم کے سربراہ کی (جائز امور) میں اطاعت نہیں کی جاتی، ہر شخص کے دل میں جو آتا ہے کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بدنظمی سے نجات عطا فرمائے ـــــ حکمِ امیر کی خلاف ورزی کی کچھ نہ کچھ سزا عموماً فوراً ہی مل جاتی ہے، اور کام میں بے برکتی آجاتی ہے۔ ہمیں بھی اس گناہ کا تھوڑا سا خمیازہ فوراً یہ بھگتنا پڑا کہ دشمن جو ہم سے بے خبر تھا، ہماری طرف متوجہ ہوگیا اور میری وجہ سے ساتھیوں کو بھی تکلیف ہوئی کہ سب کو گاڑیوں سے اُتر کر پیدل چلنا پڑا۔ (معاف کیجئے یہ جملہ معترضہ بہت سارے جملوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے لمبا تو بہت ہوگیا، مگر ناگزیر تھا)

اب پھر اصل واقعے کی طرف آتا ہوں)

کچھ دیر بعد ہم پھر اپنی گاڑیوں میں سوار ہو گئے، اور سفر لائٹوں کے بغیر ہی جاری رکھا ـــــ دشمن کے جتنے زیادہ فائروں کی آواز آرہی تھی، گولے اتنی تعداد میں ہماری طرف نہیں آرہے تھے، جس سے اندازہ ہوا کہ وہ "احتیاطاً" ہر سمت میں دُور اور قریب فائر کر رہا ہے، کیونکہ "اُس کی تو جان پر بنی ہوئی تھی" ـــــ رات کے ۹ بجے کے قریب جب ہم اُس کہسار میں داخل ہو رہے تھے جس میں "خانی قلعہ" ہے، تو اُس وقت بھی اُس کے گولے ہمارے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔ مجاہدین کا اندازہ تھا کہ وہ آج پوری رات اسی مصیبت میں گرفتار رہے گا۔ یہ اندازہ صحیح نکلا۔ اور صبح کو اس کی مختلف ذرائع سے تصدیق ہو گئی۔

اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اُٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

جہاد کی ایک اور کرامت:

۱۸ سال سے جب سے مجھے کمر کی تکلیف دامن گیر ہوئی، اُونچے نیچے راستوں پر چلنا سخت دُشوار ہے، ریل اور سڑک کا سفر بھی مشکل سے برداشت ہوتا ہے، دوپہر کے کھانے کے بعد آدھ پون گھنٹہ آرام نہ ملے تو رات تک بالکل ناکارہ ہو جاتا ہوں۔ اس پورے سفر میں یہ آرام کسی دن بھی نہ ملا، اور آج تو پورا دن پُر مشقت سرگرمیوں میں گذارا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی رحمت ـــــ جسے میں جہاد کی کرامت سمجھتا ہوں ـــــ یہ بھی سامنے آئی کہ آج شام کی پوری تگ و تاز میں نہ صرف یہ کہ کمر میں ادنیٰ تکلیف نہیں ہوئی، بلکہ ۱۸ سال بعد آج پہلی بار طبیعت میں ایسا نشاط تھا کہ جیسے کبھی یہ تکلیف تھی ہی نہیں اِس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ یہ دیکھنے کیلئے کہ تکلیف کیسی تھی؟ کس جگہ تھی؟ میں کمر کو طرح طرح سے جنبش دیتا، اور جگہ جگہ سے دباتا رہا، مگر تکلیف کا کوئی نام و نشان نہ ملا۔ وللہ الحمد ـــــ تکلیف کا احساس اُس وقت ہوا جب ہم "خانی قلعہ" پہنچ گئے۔

خانی قلعہ میں جو مجاہدین مرکز کی حفاظت کیلئے رُک گئے تھے، وہ اور ہمارے محترم بزرگ ساتھی جناب صفدر علی ہاشمی صاحب ہمارے بے چینی سے منتظر تھے، ہمیں دیکھ کر اِن حضرات کی عید سی آگئی۔ ہاشمی صاحب گھٹنوں کی تکلیف کے باعث آج کے معرکے میں ساتھ نہ جا سکے تھے، وہ اس عرصہ میں ہمارے لئے دُعا فرماتے رہے، اُن کو محاذ پر دو ماہ قیام کرنا تھا، اس لئے آج کے معرکے میں شریک نہ ہونے کا انہیں کوئی غم بھی نہ تھا، آج تو انہوں نے شاعرِ مشرق کے اس مشورے پر عمل کیا تھا کہ:

کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کُشادِ شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گذر

بہر حال زندگی کی شروع منزل میں اُن کا یہ پُرشباب ایمانی عزم ہم سب کیلئے قابلِ رشک تھا۔

خانی قلعہ پہنچتے ہی ایک نئی مسرت یہ حاصل ہوئی کہ ہماری میزبان تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے نوجوان امیر جناب مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب سے ملاقات ہوگئی، دراصل ہم انہی کی دعوت پر یہاں آئے تھے، مگر کراچی سے ہماری روانگی کے وقت یہ بنگلہ دیش گئے ہوئے تھے، کل صبح کراچی پہنچکر انہیں معلوم ہوا کہ ہم محاذ پر جاچکے ہیں تو یہ اُسی وقت ہوائی جہاز سے ملتان روانہ ہوگئے، اور وہاں سے برق رفتاری کے ساتھ کہیں رُکے بغیر آج صبح بگرڈ پہنچ گئے، اور وہاں سے میزائلوں کا ایک ٹرک لیکر ابھی مغرب کے وقت خانی قلعہ پہنچے تھے۔ اس جاں گسل طویل اور مسلسل سفر کے باوجود چہرے پر گلاب کی سی شادابی قابلِ رشک تھی، اور تھکان کی کسی علامت کا دُور دُور نشان نہ تھا۔ (ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ) یہ پچھلے نو سال سے جہادِ افغانستان میں تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں، اور اس جہاد میں صرف انہی کے ایمان افروز کارنامے اتنے ہیں کہ اُن کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ میرے بھائی جان جناب محمد زکی صاحب کیفی مرحوم کا یہ شعر ان پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ:

طوفان سے کھیلے ہیں تو موجوں میں پلے ہیں
تب گوہرِ شہوار کے سانچے میں ڈھلے ہیں

میزائلوں کا ٹرک:

آج کے حملے میں کمانڈر خالد صاحب نے دشمن پر میزائل برسانے کا بھی منصوبہ بنایا تھا، جو "بگرڈ" کے مرکز سے آج سہ پہر تک "مرزگہ" کے مرکز میں پہنچنے تھے۔ دوپہر کو وائرلیس پر اطلاع ملی کہ امیر تنظیم جناب مولانا سیف اللہ اختر بنگلہ دیش اور پاکستان سے ہوتے ہوئے بگرڈ کے مرکز میں پہنچ گئے ہیں، اب وہ خود ہی میزائلوں کا یہ ٹرک لیکر "مرزگہ" میں ہم سے آملیں گے، اور حملے میں ہمارے ساتھ شریک ہوں گے۔ لیکن قارئین کو یاد ہوگا کہ آج سہ پہر جب ہم خانی قلعہ حملے کے لئے روانہ ہوئے تو راستے میں ہمیں دشمن کے گولے وادی ارغون میں گرتے پھٹتے نظر آئے تھے جو "زامہ خولہ" کی دُور مار توپیں فائر کر رہی تھیں، اس گولہ باری کا ہدف میزائلوں کا یہی ٹرک تھا۔ رُباط پہنچکر امیر موصوف کو دشمن کی گولہ باری کی اطلاع ملی، یہ حضرات اپنے اسلحہ کی

حفاظت جان سے زیادہ کرتے ہیں، اس لئے یہ عصر تک وہیں رُکے رہے۔ عصر کے بعد جب دُشمن کی توپوں کو ہم سے دوچار ہونا پڑا تو یہ وادی عبور کر کے بخیر و عافیت خانی قلعہ پہنچ گئے، لیکن مغرب ہو چکی تھی، اس لئے وہ اور ان کے میزائل آج کے معرکے میں شریک نہ ہو سکے ـــــ اس کا ہمیں بھی قلق رہا ـــــ

آج کے حملے میں دشمن کے نقصانات:

پہلے کہیں عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے حملوں میں تخمینے تو لگائے جا سکتے ہیں، مگر دشمن کے نقصانات کی یقینی تفصیل فوری طور پر معلوم نہیں ہو سکتی، یہ تفصیل اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یا اُن مسلمان فوجیوں سے معلوم ہوتی ہے جو دشمن سے خلاصی پا کر مجاہدین سے آملتے ہیں۔ آج لڑائی کے دوران دشمن کی چوکی "زامہ خولہ" میں ایمبولینس گاڑیاں کئی بار آتی اور جاتی دیکھی گئی تھیں، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دشمن کا جانی نقصان بھی خاصا ہوا ہے۔ لیکن مجاہدین محض تخمینوں پر کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔ کمانڈر خالد صاحب نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی ان کو صحیح معلومات حاصل ہوں گی، ہمیں بذریعہ خط مطلع کریں گے ـــــ چنانچہ کراچی پہنچنے کے بعد اُن کا خط مجھے رمضان المبارک میں وصول ہوا، جس سے دشمن کے نقصانات کی تفصیل معلوم ہوئی۔ وہ خط آگے اپنے مقام پر پیش کروں گا۔ (انشاء اللہ)

رات کے کھانے اور عشاء کی نماز کے بعد ہمارے کچھ ساتھی، جن میں مولانا عزیز الرحمن صاحب، مولانا محمد اسحاق صاحب، اور برخوردار عزیز مولوی محمد زبیر سلمہ بھی شامل تھے، رات کی پہرے داری کی ڈیوٹی میں چلے گئے، اور میں امیرِ موصوف مولانا سیف اللہ اختر صاحب سے ان کے غیر ملکی سفروں کے نتائج، اور افغانستان کے موجودہ حالات کے متعلق دیر تک باتیں کرتا رہا۔

۱۲ بجے کے قریب سونے کے لئے سلیپنگ بیگ میں گھس کر لیٹا تو آج صبح سے اب تک کے مناظر ایک ایک کر کے نظروں میں گھومنے لگے ـــــ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات پر قلب و زبان مسرت و تشکر سے لبریز تھے ـــــ یقین نہیں آ رہا تھا کہ

"ایں کہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب؟"

بدھ - ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ - ۶ اپریل ۱۹۸۸ء

صبح آنکھ کھلی تو برفانی ماحول میں "مجاہد کی اذان" خوشگوار حرارت پیدا کر رہی تھی، نماز

فجر اور تلاوت و مناجات کے بعد رات کے بچے ہوئے روٹی سالن سے ناشتہ کیا، بچپن سے عادت بھی اسی ناشتہ کی ہے ــــ انگور اڈہ سے کچھ انڈے ساتھ لے لئے تھے، مجاہدین نے اُبال کردہ بھی ناشتہ میں شامل کر دیئے ــــ سردی پُر کیف، مگر دل بُجھا بُجھا سا تھا، کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہماری واپسی کا سفر شروع ہونے والا تھا۔ وطن واپسی کا شوق تو ہوا کرتا ہے، جس کی سرسراہٹ دل میں انگڑائیاں لینے لگی تھی، لیکن جہادِ مقدس کی اس سرزمین میں پہاڑوں، وادیوں، جنگلوں اور سب سے بڑھ کر اِن مجاہدین نے دل ایسے موہ لئے تھے کہ یہ خانی قلعہ بھی جو عام حالات میں شاید قفس محسوس ہوتا، اپنا گھر محسوس ہونے لگا تھا، فراق کی گھڑی جوں جوں قریب آرہی تھی دل گرفتگی بڑھتی جارہی تھی۔

بیابانِ محبت، دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

پان کی عادت ــــ اور جہاد:

میرے ساتھ ایک بُری عادت پان تمباکو کی لگی ہوئی ہے، جو اگرچہ علین جنگ کے دوران بھی لُطف دیتی رہی، لیکن مَیں اسے "بُری عادت" دوسری وجوہ کے علاوہ اس لئے بھی کہتا ہوں کہ جہاد اور یہ دونوں زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں چل سکتے، سفر میں اس کا سارا بکھیڑا ساتھ رکھنا پڑتا ہے، اور اس کے اَن مِل بے جوڑ لوازم میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو حالت دیدنی اور ناگفتنی ہو جاتی ہے ــــ یہیں خانی قلعہ میں کراچی کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان سے، جو میمن برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور کئی ماہ سے مصروفِ جہاد ہیں، تعارف اس طرح ہوا کہ جب میں پہلے دن اپنے لئے پان لگا رہا تھا تو وہ پاس آکر بیٹھ گئے، میں نے پان پیش کیا تو ہنس کر کہنے لگے "اسی کا انتظار تھا، پان کا عادی ہوں، کئی ماہ کے بعد آج نظر آیا تو رہا نہ گیا" ــــ انہوں نے جہاد پر اس عادت کو قربان کر دیا تھا، تاہم مجھے اپنی اس بُری عادت کا یہ پہلو غنیمت معلوم ہوا کہ پان اور متعلقہ ساز و سامان جو ساتھ لایا تھا وہ اِن جیسے اور بھی کئی مجاہدین کے کام آتا رہا، اور جتنا میرے سفرِ واپسی کی ضرورت سے زیادہ تھا، اُن کے پاس چھوڑ آیا ــــ اسی پان کی بدولت اِن حضرات سے دل کا لگاؤ بھی کچھ زیادہ ہی ہو گیا ــــ بہرحال اس پورے سفر میں یہ احساس شدت سے ہوتا رہا کہ ہم جن بُری عادتوں کے غلام بن کر رہ گئے ہیں، ان سے نجات حاصل کئے بغیر ہمیں اپنے دُشمنوں سے بھی آزادی حاصل نہ ہو سکے گی۔

یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ

واپسی:

۹ بجے کے قریب جب ہم کمانڈر زبیر احمد خالد صاحب سے الوداعی مصافحہ کر رہے تھے، تو میں نے اُن کا ہاتھ تھام کر کہا "میں آپ پر "آیۃ الکرسی" پڑھ کر دم کروں گا، آپ بھی پڑھ کر مجھ پر دم کر دیں، یہ والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا ہوا مجرّب عمل ہے جو وداعی مصافحہ کے دوران کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوبارہ ملاقات ہو جاتی ہے" وہ خوشی سے مان گئے، لیکن دم کرتے وقت ان کی عقابی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے، جنہیں پی جانے کے لئے وہ پوری قوتِ ارادی استعمال کر رہے تھے۔ مجاہدین کی نمناک پلکیں بھی وہ سب کچھ کہہ رہی تھیں جو زبان ادا نہیں کر سکتی ــــ گاڑیاں روانہ ہوئیں تو ہم پلٹ پلٹ کر انہیں دیکھنے کی کوشش کرتے رہے ــــ مگر پہاڑوں کے حائل ہونے سے پہلے ہی آنسوؤں کے پردے حائل ہو گئے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، اخی فی اللہ جناب محمد بنوری صاحب اور میں، ٹویوٹا پک اپ میں تھے، جس میں ڈرائیور کی سیٹ کے پیچھے بھی دو تین آدمیوں کے لئے کار کی طرح سیٹ ہوتی ہے، ہم معذوروں کیلئے یہ گاڑی زیادہ آرام دہ تھی۔ پچھلے کھلے حصے میں ہم سب مسافروں کا سامان تھا۔ اس پک اپ کو میزبان تنظیم کے امیر مولانا سیف اللہ اختر صاحب ڈرائیو کر رہے تھے۔ باقی رفقاء جو ماشاء اللہ سب نوجوان تندرست تھے پیچھے ایک جیپ میں سوار تھے ــــ "وادئ ارغون" کو پار کرتے وقت، اور اس کے بعد راستے میں کئی مقامات سے دشمن کی پوسٹ "زامہ خولہ" سامنے پڑی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر کی سراسیمگی اور گولہ باری سے چُور ہو کر اب اُس پر خوابِ خرگوش مسلط ہو گئی ہے، اُس کی توپوں پر چھایا ہوا سکوت، زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔

ذرا اے رہروانِ "تازہ دم"، "راہِ محبت" میں
جہاں میں تھک کے بیٹھا ہوں وہ منزل دیکھتے جاؤ

اب ہم جس راستے سے پاکستانی سرحد کی طرف واپس جا رہے تھے، یہ اُس راستے سے جس سے ہم آئے تھے بہت مختلف ہے، مسافت بھی نسبتہً کم ہے، کچا اور نشیب و فراز اور خم و پیچ سے پُر ہونے کے باوجود اتنا دشوار بھی نہیں جتنا وہ تھا، پاکستان کی سرحد "بگرد" سے یہی راستہ ارغون ہوتا ہوا غزنی تک گیا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ سفر کے بعد "رباط" کے قریب سے گذرتے ہوئے ایک پہاڑی نالہ راستے

میں آیا، پیاس لگی ہوئی تھی، ہماری درخواست پر امیر صاحب نے گاڑی روک لی۔ آب جاری ایسا شفاف کہ تہ میں پڑے ہوئے ریتی کے ذرات بھی چمک رہے۔ امیر صاحب نے فرمایا: "میں اس سے بھی اچھا پانی بتاتا ہوں" یہ کہکر وہ ہمیں بائیں جانب ذرا اوپر کی طرف دس بارہ قدم لے گئے، اور نالے کے پانی میں چھپی ہوئی چٹان سے پھوٹتا ہوا ایک چشمہ دکھایا جس کا قطر مشکل سے تین انچ ہوگا، لیکن پانی پی کر یوں محسوس ہوا کہ جیسے آب حیات ابل گیا ہے جسے کافر بھی پی لے تو "الحمد للہ" کہے بغیر نہ رہ سکے۔ اتنے میں ہمارے رفقاء کی جیپ بھی آگئی جو کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ اور سب تازہ دم ہوکر آگے روانہ ہوگئے۔ لیکن رہ رہ کر یہ خیال نشتر بنکر چبھ رہا تھا کہ ایسا طویل سفر کرنے کے باوجود محاذ پر قیام اتنا مختصر ہوا کہ صرف ایک چھوٹے سے معرکے میں شرکت ہوسکی، اور ہم کسی بھی کام میں مجاہدین کا ہاتھ نہ بٹا سکے — جوں جوں خانی قلعہ سے دور ہوتے گئے، یہ حسرت بڑھتی ہی چلی گئی۔

ہم ہوئے محروم واپس، وائے ناکامیٔ عشق
رہ گئی اُس بزم ہی میں دل کی حسرت دل کے ساتھ

امیر الحرکۃ قاری سیف اللہ اختر:

میزبان تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے امیر مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب اس ویرانے میں چھپے ہوئے چشمے پر ہمیں جس طرح لے گئے تھے اُس سے بھی اندازہ ہوتا تھا، اور پُرپیچ پہاڑی راستوں میں گاڑی چلانے کا انداز بھی بتا رہا تھا کہ وہ اِن پہاڑوں، وادیوں اور پورے علاقے کی رگ رگ سے ایسے واقف ہیں جیسے اپنے محلے کی کوئی گلیوں میں گھوم رہا ہو — پچھلے سوا آٹھ سال سے یوں تو خوست، گردیز اور کٹواز کے محاذِ جنگ بھی ان کی زد میں ہیں، غزنی، کابل اور جلال آباد کے میدانِ کارزار بھی ان سے ناآشنا نہیں، لیکن ان کی ترک تازیوں کا مرکز زیادہ تر "صوبہ پکتیکا" اور ارغون کا علاقہ رہا ہے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں، اور یہاں غیور مسلمانوں کا جو جہاد "ترہ کئی" کے دور سے کمیونسٹ حکومت کے خلاف جاری تھا، وہ "شعلہ جوالہ" سے بڑھکر "آتش فشاں" بن گیا تو — "حرکۃ الاسلامی" کے امیر اول مولانا ارشاد احمد صاحب شہیدؒ کے حالات میں لکھ چکا ہوں کہ — اُن کے ساتھ یہ (قاری سیف اللہ اختر صاحب) بھی ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء کو تعلیم بیچ میں چھوڑ کر انتہائی بے سروسامانی میں جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اُس وقت عمر بیس سال تھی، یہ دو تین مہینے جہاد میں لگاکر پاکستان واپس آگئے

اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں ڈیڑھ سال زیر تعلیم رہے، اس عرصے میں بھی چھٹیاں سب جہاد میں گذرتی تھیں، ۱۹۸۲ء میں جبکہ درس نظامی کا آخری سال "دورۂ حدیث" باقی تھا، پھر دل سے مجبور ہو کر ہمہ تن جہاد میں مشغول ہو گئے۔ جہاد کے معاملے میں اِن کا مسلک یہ ہے کہ:

میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اُتر جا

اس مرتبہ یہ میدانِ کارزار میں پوری یکسوئی کے ساتھ آئے تھے، یہاں اپنے امیر اور محترم دوست مولانا ارشاد صاحب کی معیت میں افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ انتہائی صبر آزما مراحل سے گذرے، شدید ترین پُرخطر معرکوں میں پیش پیش رہے، جس محاذ پر پہنچے، شجاعت، جانبازی اور ذہانت و مہارت کے نقوش چھوڑ کر آئے، جلد ہی انہیں "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا نائب امیر اور سالار (کمانڈر) بنا دیا گیا ــــ ان کا نام اصل میں "محمد اختر" تھا، جہاد میں عظیم کارنامے انجام دینے پر ساتھیوں نے "سیف اللہ اختر" نام رکھ دیا۔

دشمن کے تین طیارے مار گرائے:

۱۹۸۳ء میں "خوست" کے ایک خونیں معرکہ میں جو تقریباً ڈھائی ماہ شب و روز جاری رہا، ان کی استقامت اور نشانہ بازی کے جوہر اس طرح کھلے کہ کابل سے روسی کابلی فوج کا ایک بہت بڑا قافلہ (کانوائے) خوست کی چھاونی کو رسد کمک پہنچانے کے لئے آیا تو مجاہدین نے اُسے چاروں طرف سے حملوں کا نشانہ بنایا۔ ــــ پہلے کہیں عرض کر چکا ہوں کہ ــــ یہ فوجی قافلے سیکڑوں ہزاروں فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اوپر سے گن شپ ہیلی کاپٹر اور جیٹ طیارے منڈلاتے رہتے ہیں، اس معرکے میں بھی مجاہدین کیلئے یہ ہیلی کاپٹر اور طیارے مشکل مسئلہ بن گئے۔ مجاہدین کے پاس فضائی حملوں سے بچاؤ کے لئے اُس زمانے میں طیارہ شکن توپیں خال خال ہی ہوتی تھیں، اور اُن کو چلانے والے بھی کم تھے۔ قاری سیف اللہ اختر صاحب اس میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ اس معرکے میں فضائی حملوں سے دفاع کی سخت ذمہ داری ان کو سونپی گئی۔ یہ وہیں "تھانہ ڈبگئی" کی ایک پہاڑی پر دو طیارہ شکن توپوں کے ساتھ تن تنہا مورچہ زن ہو گئے، ایک توپ چھوٹی (دہ شکہ) تھی، دوسری "زیکویک" تھی جو "دہ شکہ" سے بڑی ہوتی ہے، اس کی گولیاں بھی بڑی ہوتی ہیں اور زیادہ دُور تک مار کرتی ہیں۔ کس مپرسی کا یہ عالم کہ توپیں دو، مگر ان کو چلانے والا صرف ایک، محاذ میل ہا میل میں پھیلا ہوا تھا اس لئے سب ساتھی منتشر تھے۔ یہ اُس مورچے سے پورے ڈھائی ماہ تک

حملہ آور طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کا شب و روز مقابلہ کرتے رہے۔ کبھی ایک توپ چلاتے کبھی دوسری، اسی حالت میں انہوں نے دشمن کا ایک جیٹ طیارہ اور دو گن شپ ہیلی کاپٹر مار گرائے ۔۔۔۔ اس واقعے کے بعد سے افغان مجاہدین اور ان کے زعماء میں ان کی ہردلعزیزی اور بڑھ گئی۔ پاکستانی مجاہدین بھی ان پر جان چھڑکنے لگے ۔۔۔۔ یہ خود تو نہیں کہتے، بلکہ انہیں تو خیال بھی نہ آیا ہوگا، لیکن ان کو حق ہے یہ کہنے کا کہ :

بہت مدت کے نخچیروں کا اندازِ نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کرڈالا طریقہ شاہبازی کا

دشمن کی چوکی "قلعہ نیک محمد" کا محاصرہ:

اسی ۱۹۸۳ء کے اواخر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا ارسلان رحمانی صاحب کی کمان میں کئی افغان تنظیموں اور حرکۃ الجہاد الاسلامی کے مجاہدین نے مل کر ارغون کی حفاظتی چوکی "قلعہ نیک محمد" کا محاصرہ کیا، جس میں ساٹھ پاکستانی مجاہدین بھی شامل تھے۔ اُس وقت تک ارغون کی حفاظتی چوکی "زامہ خولہ" نہیں بنی تھی، ارغون کی فتح میں صرف یہی "قلعہ نیک محمد" حائل تھا۔ محاصرہ دو مہینے جاری رہا، اور اس میں مجاہدین کی آٹھ طیارہ شکن توپوں (دہ شکہ) نے حصہ لیا، ان توپوں کی کمان قاری سیف اللہ اختر صاحب کے سپرد تھی، قلعے کے بڑے گیٹ کو، سامنے کی پہاڑی پر تعینات مجاہدین کی ایک جماعت نے اپنی دہ شکہ کی زد میں لے لیا، اور چھوٹے گیٹ کو قاری سیف اللہ اختر صاحب نے اپنی دہ شکہ کی زد میں لیکر قلعہ میں آنے جانے والی ہر گاڑی پر فائرنگ شروع کردی۔ یہ چھوٹے گیٹ کے سامنے ایک پہاڑی پر گیٹ سے صرف دو سو گز کے فاصلے پر تھے۔ اس طرح دشمن کی چوکی سے کوئی باہر نکل سکتا تھا نہ اندر جا سکتا تھا، اُس کی رسد کمک کا ہر زمینی راستہ بند کردیا گیا۔ اس کے علاوہ مجاہدین کی کئی جماعتیں تشکیل دی گئیں، جو باری باری ہر رات کو دشمن پر شب خون مارتیں، اور ضرب کاری لگا کر واپس آجاتیں، مقصد یہ تھا کہ اُسے بے دست و پا کرکے ہتھیار ڈالنے یا قلعہ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کردیا جائے، تاکہ مجاہدین آگے بڑھ کر ارغون چھاونی اور شہر پر حملہ کرسکیں۔ لیکن دشمن کے پاس خورد و نوش، اسلحہ اور گولہ بارود کی کمی نہیں تھی، فضائیہ کی پُشت پناہی بھی حاصل تھی، اُس نے کئی ہفتے ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور ہیلی کاپٹروں، ٹینکوں اور توپوں سے مجاہدین کو نشانہ بناتا رہا۔

قاری سیف اللہ اختر اس پورے عرصے میں شب و روز اپنی طیارہ شکن توپ سے قلعہ کے

گیٹ پر مسلط رہے، اور جب ان کی باری شب خون میں جانے کی آتی تو اُس کا موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے، کسی ساتھی کو "دہ شکہ" پر اپنا قائم مقام بنا کر شب خون میں بھی پیش پیش رہتے، یہ دشمن کی شدید فائرنگ کے باوجود قلعہ کے بالکل پاس پہنچکر راکٹ لانچر اور دستی بموں سے ضرب کاری لگاتے اور واپس آکر پھر اپنی "دہ شکہ" پر ڈٹ جاتے ـــــ یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ جاری رہا، اور یہ محاصرہ توڑنے کی ہر کوشش کو بُری طرح ناکام بناتے رہے۔

صبر آزما حادثہ:

دشمن بھی ان کی گھات میں تھا، وہ ان کا محلِ وقوع معلوم کر چکا تھا، اور ان پر مسلسل گولہ باری کر رہا تھا، مگر یہ ایک بڑی چٹان کی آڑ میں مورچہ زن تھے، اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے رہے۔ ایک رات جبکہ دشمن کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے، اور آثار سے نظر آ رہا تھا کہ وہ دو چار روز اور قسمت آزمائی کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا، یہ صبر آزما حادثہ پیش آیا کہ دشمن کی مارٹر توپ کا ایک گولہ ان سے صرف پچاس گز کے فاصلے پر آکر پھٹا۔ جس سے دو افغان مجاہد شہید ہو گئے۔ ان دونوں کا نام نصر اللہ تھا۔ گولے کا ایک دہکتا ہوا دھار دار ٹکڑا قاری سیف اللہ اختر صاحب کی پسلی کو توڑتا ہوا پھیپھڑے میں پیوست ہو گیا، ایک اور پاکستانی مجاہد بھی جس کی عمر ۲۱ سال تھی، اور قرآن کریم حفظ کر رہا تھا، شدید زخمی ہوا، اس کا نام بھی "اختر" تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ دو افغانی شہید، دونوں "نصر اللہ" ـــ دو پاکستانی شدید زخمی، دونوں "اختر" ـــــ یہاں ابتدائی طبی امداد کا بھی کوئی سامان نہیں تھا، امیر الحرکۃ مولانا ارشاد احمد صاحب ان دونوں زخمیوں کو انتہائی خطرناک حالت میں لیکر مولانا ارسلان رحمانی کی جیپ میں پشاور روانہ ہو گئے ـــــ یہاں سے پشاور کا سفر جیپ میں اگر مسلسل جاری رکھا جائے تب بھی کم از کم ۱۴۔۱۵ گھنٹے لگتے ہیں ـــ جوان خون راستے میں بہتا رہا۔

لہو پانی کیا ہے مُدتوں غم کی کشاکش نے
کوئی آسان ہے کیا خوگرِ آزار ہو جانا

قلعہ "نیک محمد" کی فتح:

ادھر محاصرہ جاری رہا، اور مجاہدین نے جان توڑ کوشش کر کے دشمن پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ کوئی بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ ایک دو روز بعد تنگ آکر دشمن کے تین ٹینک گولہ باری کرتے ہوئے قلعہ سے باہر نکل آئے، اور ہر طرف بے تحاشا گولہ باری کرنے لگے، مگر یہ اُن کی آخری قسمت آزمائی تھی،

مجاہدین نے جان پر کھیل کر ایک ٹینک کو تباہ کر دیا، دوسرے کی چین ٹوٹ گئی، اور تیسرا جو صحیح سالم تھا اس میں سے کمیونسٹ فوجی نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مجاہدین کے حوصلے بڑھ گئے، وہ ہر طرف سے یلغار کر کے قلعہ میں جا گھسے، اور تھوڑی ہی دیر میں قلعہ فتح کر لیا، کتنے ہی روسی کابل کمیونسٹ جہنم رسید ہوئے، بڑی تعداد زخمی اور گرفتار ہوئی۔ چھوٹے بڑے اسلحہ کی بہت بڑی مقدار جس میں توپیں اور ٹینک بھی شامل ہیں مجاہدین کے ہاتھ آئی، خورونوش کا سامان اور گولہ بارود کے جو ذخائر مالِ غنیمت میں ملے اُن کا تو شمار بھی نہ ہو سکا، یہ سب اسلحہ اور سازو سامان مجاہدین کو "ارغون" پر حملے میں کام آیا۔ ارغون پر اس منظم اور بھرپور حملے کا واقعہ کمانڈر زبیر احمد خالد صاحب کی زبانی "پوسٹ زادہ خول" کے عنوان میں پیچھے لکھ چکا ہوں۔

قاری سیف اللہ اختر صاحب، اور ان کا ساتھی ــــ جس کا تعلق گجرات سے تھا ــــ جب پشاور کے ہسپتال میں داخل کئے گئے تو خون خطرناک حد تک بہ چکا تھا، قاری صاحب کی ٹوٹی ہوئی پسلی جسم سے نکال دی گئی، پھیپھڑا ــــ جس میں گولے کا آہنی ٹکڑا گھس گیا تھا ــــ تقریباً ناکارہ ہو گیا تھا، کئی روز موت وحیات کی کشمکش میں رہے ــــ ان کے ساتھی "اختر" نے اسی کشمکش میں دم توڑ کر حیاتِ جاوداں پائی، اور علاج کی ہر کلفت سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

پھرا کرتے نہیں مجروحِ اُلفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

تکمیلِ تعلیم کا قدرتی انتظام:

دو ماہ بعد ہسپتال سے فارغ ہوئے تو نقاہت بہت تھی، پھیپھڑے کا عمل پوری طرح بحال نہ ہو سکا، سانس کی تکلیف رہنے لگی جو اب تک "رفیقِ زندگی" ہے۔ وطن چشتیاں ضلع بہاولنگر ہے، یہ وطن کے بجائے محاذ پر واپس جانا چاہتے تھے، لیکن اپنے امیر اور محترم دوست مولانا ارشاد احمد صاحب کے حکم پر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں جا کر داخلہ لے لیا، اور تعلیم کا جو ایک سال ــــ دورۂ حدیث کا ــــ باقی رہ گیا تھا، اس کی تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر پھر افغانستان چلے آئے، اور جہاد ہی کے ہو کر رہ گئے۔

سنہ ۱۹۸۵ء میں مولانا ارشاد احمد صاحب کی شہادت کے بعد ان کو "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا امیر، اور جناب زبیر احمد خالد کو سپہ سالار (کمانڈر) بنا دیا گیا ــــ دو ڈھائی سال پہلے شادی ہوئی

ہے، ماشاء اللہ دو بچوں کے باپ ہیں، جہاد کی سرگرمیوں سے جب وقت مل جاتا ہے تو کھڑے چڑھے گھر بھی ہو آتے ہیں، لیکن جب تک افغانستان میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی، ان کا مسلک یہ ہے کہ :

شرعِ محبت میں ہے، عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام

کئی سال سے ان کا میرے ساتھ بھی رابطہ ہے، طویل ملاقاتیں بھی کراچی اور اسلام آباد میں جہاد ہی کے موضوع پر ہوتی رہیں، ہماری افغانستان سے واپسی کے اس سفر میں تو پورے تین دن تین رات رفاقت رہی، لیکن انہوں نے اپنا کوئی حال سنایا نہ کسی کارنامے کا اشارۃً ذکر کیا، یہ حالات بھی میں نے ان کے رفقاء کار مولانا عبد الصمد سیال صاحب، کمانڈر زبیر احمد خالد صاحب، مولانا سعادۃ اللہ صاحب، اور جناب شاہ محمود صاحب سے بار بار کوشش کر کے معلوم کئے ہیں۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سرفروش مجاہدین کو اخلاص و للّٰہیت اور تواضع و انکسار کی دولت سے ایسا نوازا ہے کہ اپنے کسی کارنامے کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کرتے، پوچھنے پر بھی ہر ایک اپنے کسی ساتھی کے کارنامے تو کچھ سنا بھی دیتا ہے، اپنا نام پھر بھی کہیں نہیں آنے دیتا — یہ جہاد کی برکت ہے، ورنہ پروپیگنڈے اور خود نمائی کے اس دور میں جبکہ ریاکاری، حب جاہ اور شہرت کی خاطر اہم دینی اور ملی مقاصد کو بھی قربان کر دیا جاتا ہے، ایسی مثالیں روز بروز نایاب ہوتی جارہی ہیں۔

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

(جاری)

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحی مئے ناب و سفینۂ غزل است

اہل ذوق کیلئے حسنِ ادب کے دو موتی، پاکیزگی خلوت کے دو ساتھی

ضبط و ترتیب: صابر دانش حیدرآباد سندھ
فاضل تخصص جامعہ دار العلوم کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نور اللہ مرقدہ کا جامعہ دار العلوم کراچی کے طلبہ سے خطاب

بتاریخ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ

خطبۂ مسنونہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ! میں کیا کروں، نیت تو یہی تھی کہ ہر ہفتہ اپنے بھائیوں سے، طلبہ سے خطاب کیا کروں گا، مگر بیماریاں اور دوسرے انکار لگے ہوئے ہیں، جن کی وجہ سے مجبوراً دو تین ہفتے نہیں آسکا۔ کافی دنوں کے بعد آج پھر آبیٹھا ہوں، لِکُلِّ شَیْءٍ آفَۃٌ وَّلِلْعِلْمِ آفَاتٌ، یہ جملہ بچپن میں کہیں سنا تھا، اب آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے، یعنی ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور علم کے لئے بہت سی آفتیں ہیں، آجکل انہی میں ہم گزر رہے ہیں، چین نہیں ہے انکار لگے ہوئے ہیں۔

زندگی کی قدر و قیمت

عزیزو! جس چیز کو میں بار بار کہتا آیا ہوں پھر اسی پر بات آکر پہنچتی ہے کہ اس وقت کو غنیمت جانو۔ اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت پھر ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ گذر رہی ہے، بہہ رہی ہے، آپ کی مثال برف کی دوکان کی سی ہے۔ کہ راس المال بہہ رہا ہے ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے برف کی دوکان پر جاکر حقیقت معلوم ہوئی۔ ایت، والعصر ان الانسان لفی خسر" کی حق تعالیٰ نے فرمایا قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارے میں ہے انسان کا خسارہ میں ہونا۔ اس کی ایک واضح مثال ملی برف کی دوکان پر جاکر، کیونکہ برف کی دوکان ایسی ہے۔ جس کا سرمایہ ہر وقت ضائع ہو رہا ہے، جو بک گیا تو پیسے کھرے ہوگئے اور دیر لگ گئی تو وہاں کچھ ہے ہی نہیں۔

انسان کی زندگی بالکل برف کی سی ہے ہر سانس میں ایک ساعت گھٹ رہی ہے ایک ایک ساعت میں تمہاری زندگی گھٹ رہی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ عمر بڑھ رہی ہے، ماشاء اللہ ستر برس کے ہوگئے، حقیقت یہ ہے کہ عمر گھٹ گئی ہے، بچپن میں ایک شعر پڑھا کرتے تھے

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

گھنٹہ بجا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ایک گھنٹہ اور کم ہوگیا تیری عمر کا، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی مثال برف کی دوکان کی سی ہے، خود راس المال اس کا نفس ہے، اس کے اعضا وجوارح ہیں اور اس کی اپنی طاقت ہے، جیسے برف ہر منٹ گھٹتی ہے۔

انسان اور تجارت

میں یہ جو کہہ رہا ہوں محض شاعرانہ تکلف نہیں، حدیث کا مضمون ہے۔ حدیث پڑھنے والے طالبعلم بھی اس جماعت طلبہ میں موجود ہے، حدیث میں ہے۔ کل یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا او موبقھا" ہر انسان جب صبح نکلتا ہے تو وہ تاجر ہوتا ہے تجارت کے لئے نکلتا ہے مگر کس چیز کی تجارت؟ کپڑے کی تجارت نہیں۔ کھانے کی تجارت نہیں، لوہے اور برتن کی تجارت نہیں، بائع نفسہٗ اپنے نفس کی تجارت کے لئے تم نے اپنے آپ کو تجارت پر لگایا ہے، اب اس کی بیع کا نتیجہ کیا ہے؟ اگر ہوشیار تاجر ہے تو اپنے نفس کو آخرت کے عذاب سے آزاد کرلیگا۔ جب آدمی گھر سے نکلے تو اس

نیت سے نکلے کہ میں آج کامیاب تاجر بنوں اور کچھ کما کر لاؤں، نفع آخرت کا نفع ہے اگر آخرت میں اپنے نفس کو عذاب جہنم سے چھڑا لیا تو نفع پا لیا اور نہیں چھڑایا تو مصیبت میں آگیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کل یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا او موبقھا۔ یعنی اپنے آپ کو ہلاک کردے گا۔ یا آزاد کرالیگا۔

ہر انسان جب صبح نکلتا ہے تو ایک سامان تجارت لیکر نکلتا ہے اور وہ سامان تجارت خود اس کا نفس ہے اور اس کا یہ نفس ہر منٹ اور ہر سیکنڈ گھٹ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوجوانی دی ہے صحت دی ہے، ہاتھ پیر صحیح سالم دیئے ہیں ابھی آپ کو ان کی قدر معلوم نہیں ہم سے پوچھو۔

طلبہ سے محبت و معذرت

اور یہ چیز جو میں کہہ رہا ہوں، دل کی تمنا یہ ہے، میرا دل یوں چاہتا ہے میری تو برادری آپ ہیں، میری تو کھیتی آپ ہیں، میری تو عیال آپ ہیں، میری زندگی کی ساری آرزوئیں آپ کے ساتھ وابستہ ہیں، میرا جی یوں چاہتا ہے کہ ہر روز آپ سے خطاب کیا کروں اور ہر روز اپنے بھائیوں سے ملا کروں، ان کی سنوں اور اپنی کہوں اور ان کے حالات سے واقف ہوں ہر وقت میری خواہش یہ ہے مگر میں کیا کروں، اب وہی بات ہے کہ وقت نہیں رہا، عمر کی فرصت گذر گئی، جو کام کرنے کا تھا اللہ کا شکر ہے کہ زمانہ دراز کیا۔ لیکن بھئی اب وقت نہیں رہا۔ قویٰ جواب دے چکے ہیں، کبھی کچھ فرصت مل جاتی ہے، تھوڑی سی ہمت ہو جاتی ہے بولنے کی اٹھنے کی، مسجد تک پہنچنے کی، آپ تک آنے کی، سو کبھی ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

اب میں معذور ہو چکا ہوں، مگر دل کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ ع من نکردم شما حذر بکنید اگر ہم نے اپنی زندگی کی قدر نہیں پہچانی، ہم اسے بھگتیں گے، لیکن آپ اپنی اس زندگی کی اور ان اوقات کی قدر کریں، سب کچھ کرنے کا بننے اور بگڑنے کا وقت یہی ہے، یہ نوجوانی کا وقت سب سے بڑی طاقت کا وقت ہے اللہ نے یہ آپ کو دیا ہے، ہنر بھی اس میں سیکھا جاسکتا ہے اور علم بھی، جو کچھ ہونا ہے، اچھا بننا ہے تو اس وقت بننا ہے، برا بننا ہے تو اس وقت بننا ہے سب کے لئے یہی عمر ہے۔

بننے اور بگڑنے کا وقت

ہمارے بہت سے طالبعلم بھائی اس غفلت میں مبتلا رہتے ہیں کہ ابھی تو طالبعلمی کا وقت ہے آزادی کا وقت ہے، عمل کا وقت جب آئے گا تو عمل کر لیں گے، ہمارے استاذ

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے ۔ الشیطان، ابلیس ابلیس کا نام رکھ رکھا تھا "معجون فلاسفہ" یہ معجون فلاسفہ بیٹھا ہے، وہ بولتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ ابھی تو ہم طالبعلم ہیں، ایک اور "حدیث" بھی طالبعلموں میں مشہور ہے ۔ یجوز للطلبۃ مالا یجوز لغیرہ ۔ یہ حدیث گھڑ رکھی ہے ۔

فرمایا کرتے تھے یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے، ابلیس بیٹھا ہوا ہے چوکڑی مار کر، ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمہ تھے تو کشمیری، مگر اردو انکی عجیب و غریب تھی اور محاورات کتنے اچھے بولتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ وہ ابوالکردوس چوکڑی مار کر سینے میں بیٹھا ہے، ابوالکردوس شیطان کی کنیت ہے وہ یہ بول رہا ہے اور یہ حرکتیں کرا رہا ہے، تو بھائیو! بگڑنے کا وقت بھی یہی ہے اور سنورنے کا وقت بھی یہی ہے ۔ من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی " آج جو درست نہ ہوں آگے وہ درست نہیں ہو سکتا ۔

اور یوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سب کچھ ہے کہ ستر برس کے کافر کو ایک منٹ میں ولی بنا سکتا ہے، اللہ کی قدرت کا انکار کرنا تو کفر ہے، لیکن عادۃ اللہ یونہی ہے کہ طالبعلمی کا زمانہ ہی بگڑنے اور سدھرنے کا ہے، اچھے بن جاؤ یا برے بن جاؤ، عالم بن جاؤ محقق بن جاؤ یہ سب اسی زمانہ میں ہوتا ہے آپ ہمیں دیکھتے ہو کہ ہم کچھ کر لیتے ہیں، یہ نتیجہ سب طالبعلمی کا ہے طالبعلمی کے زمانہ میں اللہ کا شکر ہے وقت ضائع نہیں کیا، طالبعلمی کے زمانہ کو الحمد للہ ہم نے علم میں لگ کر خرچ کیا ۔

ہمیں دنیا کی کسی چیز کی فکر نہیں تھی، نہ گھر کا غم، نہ در کا غم، نہ کسی اور جھگڑے میں، نہ کسی جلسہ جلوس میں، اپنی کتاب کے سوا کوئی اور کام ہمیں نہیں تھا، اس کا نتیجہ الحمد للہ یہ دیکھا کہ پڑھانے کے زمانہ میں اس کی برکت یہ محسوس ہوئی کہ طالبعلمی کے زمانہ میں جو استعداد پیدا کر لی تھی پھر آگے مطالعے سے بڑھ گئی ۔ اور اب تک بھی وہی ہے میں نے مدرسی کے زمانہ میں کتابیں کم دیکھی ہیں اس واسطے کہ طالبعلمی کے زمانہ میں کتابیں کافی محنت کر کے پڑھی تھیں، پھر مجھے سبق پڑھانے کے لئے زیادہ مطالعہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، البتہ ویسے مطالعہ بہت کرتا تھا ۔ تو بھئی کہنا یہی ہے کہ تمہارا سارا وقت یہی ہے اس کو گنوا دو گے، عمر بھر روؤ گے، پھر کوئی نتیجہ اس رونے کا نہیں نکلے گا، جو وقت گذر چکا، اس کا کفارہ پھر دنیا میں ادا ہونے والا نہیں ۔

اعادۂ موضوع

میں نے ایک آیت شروع کی تھی، میں یہ چاہتا تھا کہ اس آیت کی کم از کم تفسیر مکمل ہو جاتی ۔ افسوس یہ ہے کہ فاصلہ کافی ہو جاتا ہے، آپ کو بھی کیا یاد رہا ہوگا، کہیں

نے کیا کہا تھا؟ اور میرا حافظہ تو ویسے ہی بے کار ہو رہا ہے، یاد نہیں رہتا۔ میں نے یہ آیت پڑھی تھی۔ نَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۔ قرآن کی بلاغت کی انتہا ہے اور قرآن کی بلاغت کا کمال ہے کہ اس میں پورا نصاب ہے۔ علم کا، اہل علم کا۔ مدرس کا، مبلغ کا اور علماء کا، طالبعلمی سے لیکر عمر کے آخری لمحات تک کا، اور اس میں میں نے یہ بات بتائی تھی کہ قرآن کے مقصد نے واضح کر دیا ہے کہ سب کے سب جہاد پر نہیں جائیں گے، کچھ لوگ ایسے ہونے چاہیں جو علم کے کام میں لگیں اور جہاد کے لئے جہاد کرنے والے جائیں، لیکن کچھ لوگ وہ ہوں جو اس کام میں لگیں، کیوں لگیں؟ لیتفقھوا فی الدین

طالب علم کا مقصود اور اس کیلئے یکسوئی

علم کا حاصل "دانستن" مقصود نہیں، جان لینا، پوچھ لینا مقصود نہیں، بلکہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا، یعنی تفقہ فی الدین مقصود ہے۔ قرآن کی دعوت کے مطابق ایسا طائفہ چاہیئے جو تفقہ فی الدین کے لئے اپنی عمر خرچ کرے اور اس طائفہ کو مجاہدین اور غازیوں سے مستثنیٰ کر دیا، آپ جانتے ہیں کہ ذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اسلام کی سب سے اونچی چوٹی جہاد ہے۔ اسلام میں جہاد کی بڑی عظمت ہے اس کے ثواب کی کوئی حد نہیں لیکن طالبعلموں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا کہ کچھ لوگ تفقہ فی الدین میں لگیں وہ اس کے علاوہ اور دوسرے کاموں کے لئے نہ جائیں۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ دین کے جاننے والے اور علم کے جاننے والے جب تک دنیا میں ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ذرد تین ہیں۔ ایک ساتھ ہو ہی نہیں سکتیں۔

طالب علمی تو صرف اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ دوسرا شغل بالکل نہ ہو۔ اس کے قلب کا گوشہ کسی دوسری چیز کے ساتھ لگا ہوا نہ ہو، اپنا وجود، اپنی توانائی، اپنی فکر، اپنا وقت سارا کا سارا طالبعلمی میں لگا دے تب تھوڑا سا علم آتا ہے۔

علامہ زنوجی رحمہ اللہ کی کتاب کا آپ حضرات سے کئی مرتبہ ذکر کیا ہے یعنی تعلیم المتعلم" صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں اس میں انہوں نے لکھا ہے " العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك " علم اپنا بعض حصہ اس وقت تک نہیں دے گا جب تک کہ تم سارے کے سارے علم دین کے نہ ہو رہو۔ جب تمہارا اوڑھنا بچھونا، جاگنا سونا، دوڑنا بھاگنا، رہنا سہنا سب علم کے لئے نہیں ہو جائے گا اس وقت تک علم کا کچھ حصہ تمہیں نہیں ملیگا، جب تم سب کچھ علم کے ہو رہو گے تو تھوڑا سا علم تمہیں آئے گا۔ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۔

اگر تم نے اپنا وقت دوسرے کاموں میں لگا دیا تو علم کا تمہارے پاس سایہ بھی نہیں گزریگا۔ خود قرآن کی آیت ہے۔ میرا کہنا نہیں ہے، خدا کے لئے غور کرو۔ آپ اسی کام کے لئے آئے ہو یعنی اللہ اور رسول کے احکام کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے۔ میں قرآن کریم کے الفاظ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت اس کام کے لئے کیوں نہ نکل آئی۔ لیتفقہوا فی الدین جو تفقہ فی الدین حاصل کرے۔ مجاہدین اور غازیوں میں سے الگ نکال کر تمہیں اس کام کے لئے بٹھایا، یعنی غازی غزوہ پر، مجاہدین جہاد پر جائیں لیکن تم اپنے کام پڑھنے پڑھانے میں لگے رہو۔ اس واسطے کہ اس کام کے ساتھ دوسرا کام جمع نہیں ہو سکتا، حالانکہ وہ دین کا بہت اونچا کام ہے، لیکن وہ بھی اس کام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے رب العزت جل شانہ نے اسے فرضِ کفایہ بنا دیا کہ ایک جماعت اس کام کو کرے اور ایک جماعت وہ کام کرے۔

فرضِ کفایہ کی حقیقت

فرض کفایہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ضروری تو ہے لیکن سب اس میں نہیں لگ سکتے تقسیم عمل کرنا پڑتا ہے۔ بعض یہ کام کریں بعض وہ کام کریں، اسی لئے جتنے فرض کفایہ ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر فرض تو ہیں، لیکن سب ان کے اندر لگ جائیں گے تو کام خراب ہو جائے گا کچھ لوگ علم دین کے کام میں لگیں، کچھ جہاد میں اور کچھ دوسرے کاموں میں لگیں۔ کام کی مختلف انواع ہیں اس میں تقسیم عمل ہونا چاہئے۔

قرآن کے اس فیصلے نے یہ بتایا کہ طالبعلموں کو مجاہدین سے مستثنیٰ کر کے رکھا ہے۔ ذرا خدا کے لئے غور کرو۔ جہاد سے عظمت والی چیز اسلام میں کوئی نہیں ہے۔ اسلام کا پانچواں رکن ہے جہاد۔ اس سے مستثنیٰ کر کے رکھا ہے طالبعلم کو، کہ تم جہاد میں نہ جاؤ۔ کرلو اور اس کام کو یعنی تفقہ فی الدین کو حاصل کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تفقہ اس کے بغیر نہیں پیدا ہوتا۔ جب تک کہ پورے پورے اپنے وجود کو اور اپنی توانائی کو اس میں خرچ نہ کرو۔

طالب علم اور نوافل

اسی واسطے پوری امت کا اصول اور دستور یہ رہا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں طالبعلم کوئی کام نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ اور چیزیں تو اور نوافل، ذکر، شغل جو خالص اللہ کی یاد اور عبادت ہے اکابر امت طالبعلموں کو اس سے بھی روکتے تھے۔ خلاصۃ الفتاویٰ اٹھا کر دیکھ لو۔

خلاصۃ الفتاوی صاحب ہدایہؒ کے ہم قرن عالم کی تصنیف ہے، خلاصۃ الفتاوی بڑے اونچے طبقہ کا ہے اس میں لکھا ہوا ہے۔

کُنَّا نُضرِبُ عَلیٰ اَنْ نُصَلِّیَ التَّسْبِیْحَ تقریباً یہی الفاظ ہیں، ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں ہمارے استادوں کو پتہ لگتا کہ ہم صلوٰۃ التسبیح پڑھ رہے ہیں تو ہمیں مارتے تھے صلوٰۃ التسبیح پڑھنا کوئی گناہ ہے؟ بڑے ثواب کا کام ہے، احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں، مگر طالبعلم کی صلوٰۃ التسبیح یہ ہے کہ جاؤ کتاب میں لگو۔

طالبِ علم اور بیعت

حضرت گنگوہیؒ اور ہمارے اکابرؒ طالب علموں کو مرید، بیعت نہیں کرتے تھے، یہ فرماتے کہ پہلے علوم ظاہرہ سے فارغ ہو جاؤ، اس واسطے کہ اس شغل کیساتھ باطنی اعمال اور خاص ذکر شغل کے جو معاملات ہیں وہ نبھیں گے نہیں۔

مجھ پر خود یہ گذرا ہوا ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند اکبر، شیخ العرب والعجم، میں اس زمانہ میں ہدایہ پڑھتا تھا۔ جس زمانہ میں ان پر سیاست کا رنگ غالب ہوا۔ اسلام کی خلافت تباہ ہوئی۔ انگریزوں نے ظلم ڈھائے۔ اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرے۔ حضرت شیخ الہندؒ پر یہ کیفیت حال کے جذبہ میں تھی کہ کسی طرح سے اب ہم کوشش کر کے انگریزوں سے ملک کو خالی کرائیں اور آزادی حاصل کریں۔ اس زمانہ میں میں نے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ جب فارغ ہو جاؤ گے اس وقت بیعت کروں گا۔ خود تو اس جہاد پر لگ گئے تھے۔ مگر طالبعلموں میں سے کسی کو اس میں نہیں لگایا، ہم دیکھتے تھے کہ رات دن اخبار پڑھے جا رہے ہیں اور خطوط لکھے جا رہے ہیں۔

یہ میرے بچپن کا زمانہ تھا اس لئے ان تحریکات کو زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ریشمی رومال کا قصہ اور نہ جانے کیا کیا قصے ہوئے۔ پورے عالم اسلام کو ایک کڑی میں حضرت شیخ الہندؒ نے پرو دیا تھا۔ یہاں سے لیکر افغانستان اور ترکی تک سب ایک کر ڈالا، سب مسلمانوں کا متحدہ محاذ بنا دیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف، اور قریب تھا کہ اگر یہ حملہ آور ہوتے تو انگریز کو بالکل ختم کر دیتے۔ مگر مخبری ہو گئی۔ ہمارے اعضاء و جوارح خود مسلمانوں نے مخبری کی، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے چار سال مالٹا میں رہے۔

بہر حال میں عرض کر رہا ہوں کہ جب میں نے زمانہ طالبعلمی میں بیعت کی درخواست کی تو مجھے انکار فرما دیا۔ مالٹا سے واپس تشریف لائے۔ اس وقت میں فارغ ہو چکا تھا اور میں

مدرس تھا، کتابیں پڑھاتا تھا، اس وقت میں نے درخواست بیعت کی تو قبول فرمالی، ہمارے ان بزرگوں کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے خود تو سب کچھ کیا، لیکن طالبعلم کو طالبعلمی کے زمانے میں کسی کام میں لگانا ہرگز گوارا نہیں کیا، چنانچہ مجھے بھی اس وقت بیعت کیا، اس سے پہلے نہیں کیا، ہمارے ان سب بزرگوں کا معاملہ یہی ہے کہ طالبعلمی کے زمانہ میں فرماتے تھے کہ اپنا کام کرو۔

شیخ فریدالدینؒ شکر گنج کی بیعت کا واقعہ

اور ہمارے اپنے زمانہ کا واقعہ نہیں، بلکہ شیخ شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن پنجاب میں ان کا مزار ہے، بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور ہمارے سلسلۂ چشتیہ کے بڑے اکابر میں سے ہیں، یہ ملتان میں طالبعلم تھے، ملتان بہت پرانا شہر ہے، اس میں مسلمانوں کا کوئی مدرسہ ہوگا اور ہمیشہ سے ملتان علم کا گھرانا رہا ہے۔ جب سے اس جگہ میں اسلام آیا ہے اس وقت سے یہ علم کا گھرانا رہا ہے۔ شیخ وہاں علم حاصل کرتے تھے، حضرت قطب بختیار کاکیؒ جن کا مزار دہلی میں ہے وہ ایک مرتبہ ملتان تشریف لائے تو شیخ فریدالدین شکر گنج قدس سرہ کا دل چاہا کہ ان سے بیعت ہو جاؤں، حضرت قطب بختیار کاکیؒ حضرت شیخ زکریا ملتانیؒ سے ملنے کے لئے (جن کا مزار ملتان ہی میں ہے بہت بڑا مزار ہے میں کئی مرتبہ حاضر ہوا ہوں) تشریف لائے تھے تو حضرت فرید شکر گنجؒ نے موقع غنیمت جانا کہ میں دہلی جاکر بیعت ہوتا، اللہ نے انہیں یہیں بھیج دیا ہے۔ نیت تو تھی بیعت ہونے کی اسلئے یہیں درخواست کردی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہیں بھیج دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں، انہوں نے فرمایا، ابھی نہیں، پہلے ان علوم سے فارغ ہو جاؤ۔ تو بیعت کروں گا۔ فارغ ہوکر دہلی آؤ۔ چنانچہ وہ حکم کی تعمیل میں لگ گئے اور جب تمام علوم سے فارغ ہوگئے تو دہلی پہنچے۔ تب بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد جہاں وہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام بخشا، جن کو ان کی تاریخ معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت قطب صاحبؒ کے خلفاء میں سب سے اونچے خلیفہ مانے جاتے ہیں، عجیب صاحب کمالات ہیں۔

سلفِ صالحین کی طالبعلمی

تم جتنے صاحب کمال دیکھو گے انہوں نے طالبعلمی کے زمانہ میں سوائے طالبعلمی کے کچھ نہیں کیا، شیخ الہندؒ جنہوں نے ساری دنیا کو ہلا ڈالا۔ ایک انگریز جس وقت ان سے بیان لینے کے لئے مالٹا میں گیا تھا، اس وقت حضرتؒ مالٹا جیل میں تھے اس انگریز کا نام برٹن تھا، اس نے حضرت سے پوچھا۔ تم نے کیا تحریک چلائی، کیا کیا، مولانا نے صاف بتادیا کہ ہم نے یہ کیا تھا

جھوٹ کا تو وہاں سوال ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی راز سارا کھل گیا تھا اور فرمایا یہ ہمارا اصول تھا، یہ ہمارا پروگرام تھا۔ اب ہم فیل ہو گئے۔ تم جو چاہو کرو۔ غرض پوری بات ظاہر کر دی۔

اس برن نے مالٹا سے واپس آکر یہ بیان دیا تھا کہ میں حیران ہوں، کہ یہ شخص جس کی ساری عمر مدرسہ کے بوریہ پر گذری ہے، جس نے کبھی سیاست میں حصّہ نہیں لیا۔ عمر کے اسّی سال پڑھنے پڑھانے میں گذارے، کبھی امراء سے، وزراء سے، سفراء سے، سیاسی لوگوں سے کوئی ملاقات نہیں کی، اس نے کیا غضب کا نظام بنایا تھا۔ اگر ہمیں کچھ دن اور اس کی اطلاع نہ ہوتی، تو ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہوتا، یہ برن کا بیان ہے یہ حضرت شیخ الہندؒ کا ایک واقعہ ہے جن سے میں زمانہ مدرسی میں بیعت ہوا تھا۔

محنت و یکسوئی سے طالب علم کے ثمرات

لیکن کب جب کہ اپنی طالب علمی کو اور سارے کمالات کو حاصل کر چکے۔ طالبعلمی، طالبعلمی کے زمانہ میں حاصل کی، اس وقت جانتے نہیں تھے کہ سیاست کس جانور کا نام ہے اور دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کے بعد حضرت نانوتویؒ کے ساتھ سفر و حضر میں ان کی خدمت میں رہے، تصوف اور باطنی کمالات حاصل کرنے کے لئے ان کی وفات کے دو سال تک مسلسل حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہے ان سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میدانِ سیاست میں آئے۔ تو بھئی! اللہ تعالیٰ نے اس دین اور اس علم میں یہ برکت رکھی ہے کہ جب آدمی اس میں لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ راستے کھول دیتا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اس کو سیکھنے کی ضرورت ہے

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ سیاست کے امام مانے گئے، جنہوں نے عمر بھر کبھی سیاست نہیں کی۔ جانتے نہیں تھے کہ سیاست کس بلا کا نام ہے، ساری عمر گذاری پڑھنے اور پڑھانے میں یا پھر خانقاہوں میں، اللہ اللہ اور ذکر و شغل میں، جب جہاد کا جذبہ غالب ہوا اور اس طرف سب کاموں سے فراغت کے بعد توجہ اور دھیان دیا، اور لوگوں سے ملاقاتیں کیں، ملنا جلنا شروع کیا، باتیں ہوئیں۔ عقل و فہم خداداد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت تھی۔

اسلامی دستور اور تحریکِ پاکستان

حضرت شیخ الہندؒ تو شیخ الہند تھے بڑے تھے، مجھ جیسا ایک ادنیٰ انسان جب میں پاکستان آیا ہوں، آپ لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہاں آکر میں نے مدرسہ بنایا ہوگا۔ مدرسہ کا منتظم ملا ہوں، نہیں میں یہاں دراصل نظام سلطنت کے سلسلہ میں آیا تھا، دستور بنانے کے لئے آیا تھا۔ اور اسلامی دستور بنانے کے لئے ایک جماعت نے مجھے بلایا تھا کہ اسلامی دستور کی

تشکیل کیجائے چنانچہ وہ ہم نے کیا اور اس کا خاکہ بنایا۔
ہمیں کیا معلوم دستور کسے کہتے ہیں، قانون کسے کہتے ہیں؟ جو آپ لوگ پڑھ رہے ہیں وہی ہم نے پڑھا تھا، دستور و قانون تو پڑھا نہیں تھا، نہ ہی کبھی مطالعہ کیا تھا اور نہ دیکھا تھا، لیکن جب آپ آگے اس کام کو لے کر بیٹھے۔ اللہ کا شکر ہے، بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی تھیں۔ عمر پڑھنے پڑھانے میں گذاری تھی ہم نے قوانین اور دساتیر کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مطالعہ کے بعد الحمد للہ ہمیں اتنی معلومات ہوگئی تھی کہ کس طرح دستور بنتا ہے اور کس طرح قانون بنتا ہے، چنانچہ دستور کا خاکہ ہم نے بنایا، وہ تو ایک غیر سرکاری خاکہ تھا، پھر ایک سرکاری بنا تھا، بورڈ تعلیمات اسلام کے نام سے، یہ بورڈ اس نام سے حکومت کے دستور ساز اسمبلی میں بنایا تھا۔ اس میں ایک ہزار روپے ماہوار ہمارا الاؤنس تھا اس میں چند علماء رکھے گئے تھے کہ وہ اسلامی دستور بنائیں۔

اب ظاہر ہے کہ ہم سے عمر بھر دستور، اسلامی نہ غیر اسلامی کبھی لکھا ہی نہیں تھا، سیکھا ہی نہیں تھا، اس کو جانتے ہی نہیں تھے، لیکن جب سر پر پڑی تو اس کا مطالعہ کیا، دنیا بھر کے دستوروں کو دیکھا اور انگریزی دستوروں کا اردو ترجمہ کرایا۔ غرض دنیا بھر کے دستوروں کا مطالعہ کیا، اللہ کے فضل و کرم سے دستور کے معاملہ میں اس وقت ہم ایسے ہوگئے تھے کہ دعوی سے کہہ سکتے تھے کہ ہم دنیا بھر کے دستور جانتے ہیں۔

چنانچہ ایک مجلس میں ایسا ہوا کہ خواجہ ناظم الدین صاحب اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اچھے آدمی تھے اس وقت وہ وزیر اعظم تھے، ان کے ساتھ چار پانچ بڑے بڑے وزراء تھے، اس مجلس میں گفتگو ہو رہی تھی، ایک صاحب (اب بھی حیات ہیں میں ان کا نام نہیں لیتا) اس زمانہ میں مرکز کے وزیر تھے۔ ذرا میری طرف خطاب کر کے یہ بول اٹھے کہ آپ کو یہ کیا معلوم۔ اور وہ مجھے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ملا آدمی ہے یہ بیچارا مدرسے سے آیا ہے۔ اسے استنجاء کے مسئلے تو معلوم ہوں گے، ان سے دستور اور قانون کا کیا تعلق؟ اس نے ذرا تحقیر کے انداز میں کہا، مولانا آپ کو خبر نہیں، مجھے غصہ آ گیا، میں نے کہا مجھے خبر نہیں، میں جانتا ہوں کہ آپ کی جیبوں میں نوٹ پڑے ہوئے ہیں جو آپ کے سیکرٹریوں نے لکھ کر دے رکھے ہیں، آپ کے سارے علم کا مبلغ وہ ہیں۔ آپ کو کچھ پتہ نہیں دستور کسے کہتے ہیں اور میں، میں نے ساری دنیا کے دستوروں کا مطالعہ کیا ہے آپ مجھ سے کسی دستور کے متعلق پوچھئے میں بتاؤں گا کہ انگلینڈ میں کیا ہو رہا ہے، ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے اور یورپ کے دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے اور کیا دستور چل رہا ہے، مجھ سے کہتے ہو کہ مجھے خبر نہیں، جب میں نے یہ کہا تو دم بخود ہو گئے ایک دو مجلسوں میں نہیں، بلکہ کئی مجلسوں میں۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم نے سیاست سیکھی نہیں تھی، ۵۲ سال کی عمر میں پاکستان کے لئے

میں نے ہجرت کی ہے، دو سال انہی ۵۳ سال میں سے پاکستان بنانے کیلئے جلسہ جلوس میں لگائے، اس زمانہ میں تھوڑا سا سیاست میں دخل دیا تھا، اس سے پہلے کیا جانے سیاست کیا بلا ہے، لیکن جب ضرورت پڑی اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے راستے کھول دیئے۔

اسلامی دستور بیسویں صدی میں؟

اور خدا کا شکر ہے کہ نور الامین صاحب جو اس زمانہ میں مشرقی پاکستان کے وزیر اعظم تھے چار وزراء اعظم تھے، ون یونٹ سے پہلے کا قصہ ہے چاروں صوبوں کے وزراء اعظم کچھ دوسرے وزراء اور ہماری جماعت علماء کی آپس میں گفتگو اور بحث تھی، وہ یہ کہتے تھے کہ دستور جیسے تم اسلامی دستور بنا رہے ہو چلنے والا نہیں، ہم نے کہا کہ اگر چلنے والا نہ ہوتا تو اللہ اور اس کے رسول ہمیں اس کا حکم نہ دیتے، ہمارا ایمان ہے کہ ضرور چلے گا۔ اس زمانہ میں چلے گا۔ بیسویں صدی میں چلے گا، اکیسویں صدی میں چلے گا اور ضرور چلے گا۔ اس پر بحث تھی، بحث تو خیر اس پر لمبی ہوتی رہی، لیکن نور الامین صاحب نے گھر میں جاکر کہا کہ سچی بات یہ ہے جو مفتی صاحب کہہ رہے ہیں ہم مانیں یا نہ مانیں یہ دوسری بات ہے، انصاف کی بات ہے کہ بات سچی ہے۔

کیا بات تھی، یہی کہ جب ضرورت پڑی تو علم کو علم کے طریقہ پر حاصل کیا، اس زمانہ میں کوئی دوسرا شغل، دھندا نہیں تھا ان سب چیزوں سے فارغ ہونے کے بعد جب ضرورت پڑی تو اللہ کا شکر ہے کہ اس انداز میں کام کیا کہ بڑے سورماؤں نے، سیاست کے جاننے والوں نے اقرار کیا کہ ہم میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بے وقوف ہے۔ جانتا ہی نہیں اور جتنے عالم اس وقت سیاست میں لگے ہوئے ہیں۔ جس عالم کو عالم دیکھو گے ان کی زندگی طالبعلمی کی دیکھو یہ کبھی نہیں پاؤ گے کہ وہ طالبعلمی کے زمانہ میں نعرہ لگاتا پھر رہا ہے۔ جلسہ جلوسوں میں جارہا ہے اگر وہ ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی جتنے علماء برسر اقتدار آئے ہیں اور جن عالموں کی سیاست چل رہی ہے وہ وہی ہیں جن کی طالبعلمی ان چیزوں سے بالکل صاف ستھری ہے اور وہ صرف اپنے طالبعلمی کے کاموں میں لگے، پھر اللہ نے کام میں لگایا تو سیاست میں بھی ان کا اچھا حصہ ہے یہ ساری چیزیں اسلئے بتا رہا ہوں کہ اس وقت کو غنیمت جانو ابھی وقت ہے۔

اسکولوں اور کالجوں کی تباہی

آجکل سیاست کا بٹر بھونگ ہے اور خاص کر اسکولوں اور کالجوں کو یہ سیاست کھا گئی ہے ان کے یہاں نہ علم رہا۔ نہ دین رہا، نہ دیانت داری رہی، نہ حلال نہ حرام، نعرے بازی اور نعرہ بازی کے پیچھے ان کی ڈگریاں اور ڈگریوں کے پیچھے ان کی نوکریاں، ان کا تو کام بن جاتا ہے اس

واسطے کہ انہوں نے نعرہ لگانے سیکھے اور نعرہ لگا کر جا چڑھے اپنے پرنسپل کے سر پر کہ لاؤ ڈگری، وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ بغیر امتحان کے ہمیں ڈگری دو۔ چنانچہ ان کو ملتی ہے جھوٹ سے، بے ایمانی سے اور انہی غلط ڈگریوں سے انہیں عہدے بھی ملتے ہیں وہ اس دنیا میں تو کامیاب ہیں اگرچہ حقیقت میں وہ کیا خاک کامیابی ہے۔

سند اور علم و ہنر لیکن عزیزو! کہنا یہ ہے کہ تم ان کی حرص نہ کرو، تمہاری ڈگری دو پیسے کی بھی نہیں۔ ہم نے تمہیں اپنی بڑی سند لکھ دی کہ وَھُوَ عِنْدَنَا کَذَا وَکَذَا وَکَذَا آپ کے بڑے لمبے اوصاف لکھ دیئے، بازار میں جاؤ تو وہ دو پیسے کی بھی نہیں، کسی دفتر میں جاؤ تمہیں چار پیسے کی بھی نوکری نہیں ملیگی۔ اگر تمہارے اندر علم و ہنر ہے تو سب کچھ ہے یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے، ان کی حرص کیوں کرتے ہو۔

تمہارا کام یہ ہے، میں وہ بات کہہ رہا ہوں۔ شاید میرے بعد اس کے کہنے والے ختم ہو جائیں گے، میں نے صرف اپنے بال سفید نہیں کئے بلکہ ساری عمر اسی میں خرچ کی ہے آنکھ کھولی ہے مدرسہ کے اندر، طالبعلموں کے اندر، بچپن گذارا ہے بچپن کا کھیل کود بھی طالبعلموں کے اندر مدرسے میں کیلا ہے، عمر گذاری ہے دارالعلوم دیوبند کے اندر ان اکابر کی آغوش میں جن کی کوئی نظیر آج دنیا میں نہیں ملتی۔ ان اکابر کی آغوش میں صرف پڑھا نہیں پڑھایا بھی ہے۔

ایک عمر بھر کا تجربہ عزیزو! تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں، آنکھ کھول کر دیکھو۔ میری بات غور سے سنو، یقین کرو۔ اور آج کے بعد اس کا کہنے والا دوسرا نہیں ملیگا، اس واسطہ کہ اب اس فضا کو دیکھنے والا اور اتنا تجربہ کار کوئی نہیں رہا۔ سب نو عمر ہیں نئے لگے ہوئے ہیں، وہ تھوڑے تھوڑے عاجل مفادات کے پیچھے چل دیتے ہیں، میں نے عمر بھر تجربہ کیا ہے کہ جو طالبعلم طالبعلمی کے زمانہ میں کسی دھندے میں لگ گیا، خاص کر جلسے جلوس، اور سیاست میں، سیاست تو طالبعلموں کے لئے انتہائی زہر اور سم قاتل ہے یہ جلسے جو ہم جمعرات کو کرتے ہیں اور ان میں جو زیادہ غلو کرتے ہیں، بعضوں کو دیکھا اسی میں لگے رہے ہیں، کاپی بنا رہے ہیں سبق چھوڑ کر، تکرار چھوڑ کر وہ بھی میں مضر سمجھتا ہوں، اس میں چائے پانی ہو رہے ہیں، دوسروں کو بلایا جا رہا ہے اب تو یہ ہونے لگا ہے، روز سنتا ہوں کہ آج پارٹی ہو رہی ہے، اس کا نتیجہ انتہائی خطرناک اور غلط ہے ہاں سادگی کے ساتھ ہفتہ میں جمع ہو کر تقریر کرنا سیکھو۔

تو بھئی میرا عمر کا تجربہ یہ ہے اور جنہوں نے کبھی طالبعلمی کے ساتھ دلچسپی رکھی ہے

ان سب کا بلکہ جتنے غیر مسلم لوگ ہیں وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں حضرت شیخ الہندؒ کے دور کی تحریکات کے زمانہ میں چنانچہ بنارس یونیورسٹی کے وائس چانسلر جو ہندو تھا، اس نے اپنی یونیورسٹی میں یہ تقریر کی تھی کہ میں طالبعلموں کو اس سیاست کا جزو نہیں بننے دوں گا، کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ طالبعلموں کے واسطے بتاہی ہے۔

اس لئے اس وقت کو غنیمت جانو۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس کو سوچو سمجھو، قرآن کے ارشادات کو دیکھو، دنیا کے تجربات کو دیکھو، تجربہ تمہارے سامنے نہیں مگر میں دنیا کے تجربے کر کے کہہ رہا ہوں، اس وقت کو خالص اپنے علم دین کی طلب میں، کتاب کے سمجھنے میں، جاننے میں، یاد کرنے میں اور اس میں ترقی میں خرچ کرو، یہ دو چار سال ہیں ع "چند روزے جہد کن باقی بخند"

موجودہ سیاست

جب طالبعلمی کا زمانہ ختم ہو جائے، پھر اگر کسی کا جی سیاست میں لگنے کو چاہے تو اللہ کے لئے غور کرے۔ اگر واقعی سیاست دین کی ہو۔ آج کل سیاست اتنی گندی ہو گئی ہے کہ جو دین کے لئے سیاست کے پیچھے چلتا ہے تو دین کا تو صفر ہو جاتا ہے اور بے اختیار دوسری چیزیں لگ جاتی ہیں۔ ہم نے تو اس کے پیچھے دس سال خرچ کئے ہیں۔ آخر میں یہ دیکھ کر چھوڑا ہے کہ آدمی اپنے اختیار میں وہاں جا کر نہیں رہتا، پھر دوسرے مفادات غالب ہوتے ہیں جو دین کے خلاف چلنے پر مجبور کرتے ہیں پھر آدمی تاویلیں کرتا ہے۔

خیر بہر حال وہ جو کچھ ہے پڑھنے پڑھانے کے بعد آدمی کو اختیار ہے اگر طالبعلمی کے بعد استعداد حاصل ہو جائے اور واقعی دین کی سیاست نظر آئے، دین کی حفاظت کے لئے وہ اچھی چیز ہے سیاست منع نہیں ہے، کوشش کرے۔ جیسے میں نے ابھی کہا کہ دس سال پورے کامل ہم نے بھی اس میں لگائے اور دس سال یہاں آکر پاکستان میں لگائے (دس سال پاکستان بننے سے پہلے اور دس سال پاکستان بننے کے بعد) انہی وزراء، امراء اور سفراء وغیرہ کیا تھ لگے رہے کوششیں کرتے رہے کسی طرح سے دینی رنگ پیدا ہو، ہمیں تو تجربہ یوں ہوا، کہ اس راہ میں صفر ہی ہاتھ میں آیا، اور کچھ ہاتھ میں نہ آیا۔

دینی مدارس کی اہمیت

پھر ہم نے سوچا کہ لاؤ اپنا یہ دھندا چلائیں، کہیں یہ ہاتھ سے نہ جاتا رہے ﴿حَظَّکُمُ الکُلِّيُّ فوتْ ننگ کاتھ﴾۔ اس واسطہ مدرسہ بنایا اور ہم نے دیکھا کہ الحمد للہ غنیمت ہے جو کچھ اگر دین کی رمق باقی ہے تو انہی مدرسوں کے ذریعہ سے باقی ہے اور وہ جبھی ہے کہ جب ان دنوں کو جو تمہیں ملے ہوئے

ہیں سمجھو اور غنیمت جانو۔ سب چیزوں سے قطع نظر کرے ؎

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

سب سے آنکھ بند کر کے اس کے پیچھے لگ جاؤ، کوشش کرو، محنت کرو، جس کسی بڑے عالم کا تم نام لو گے، ان کی زندگی کو دیکھو گے یہی پاؤ گے کہ طالبعلمی کے زمانہ میں انہوں نے طالبعلمی کی بجز اور کوئی کام نہیں کیا تھا، اگر آپ اپنی فلاح چاہتے ہو دین و دنیا کی، تو اس بڈھے کی بات مانو سنو، کوئی کہنے والا تمہیں ملے گا نہیں۔ اس واسطے کہ میں نے جتنے تجربہ مدرسوں کے لئے، مدرسوں میں عمر گذاری خدا جانے کتنے مدرسے بنے اور بگڑے ہیں میری آنکھوں کے سامنے، ان تجربوں کو دیکھتے ہوئے میں یہ بات تمہیں کہہ رہا ہوں۔ خاص اس کام کے پیچھے لگو۔

کامیابی کا راز

دوسرا کام یہ ہے کہ حلال و حرام کی فکر کرو۔ تقویٰ اختیار کرو، عمل صرف اتنا، نوافل نہیں، ذکر و شغل نہیں، نماز روزے کی پابندی اور حلال و حرام کی فکر بس یہ ساتھ لگنی چاہیئے، اگر یہ کام تم نے سیکھ لئے تو سیاست بھی ہے ریاست بھی ہے اور جب تم چاہو گے اور جس میدان میں نکل جاؤ گے اللہ نے چاہا تو تم ہی تم ہو گے۔ اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہو گی۔

اور خدا نخواستہ اس وقت کو تم نے ضائع کر دیا۔ تو یقین کر و خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَة ہو گا۔ یہ تو تمہیں آئے گا نہیں جس چیز کے پیچھے تم آج پڑ رہے ہو۔ وہ بھی نہیں آئے گی۔ نتیجہ اس کا کچھ نہیں سوائے خسران کے اور سوائے بربادی کے، علم نہ آیا۔ تمہاری قیمت علم سے ہے اور تمہارے پلے ہنر تو ہے نہیں۔

وہ جو کالج والے ہیں، علم وہاں بھی نہیں رہا، پہلے ان کو بھی کچھ فن اور کچھ ہنر آتے تھے اب ان کے پاس ہنر فن کچھ نہیں رہا۔ مگر ڈنڈے جوتے کے زور سے ڈگری لے لیتے ہیں۔ استادوں کے جوتا مارا، اور اس کے جوتا مارا ڈگری لے لی، وہ تو الو اپنا سیدھا کر لیتے ہیں تمہارا معاملہ ٹیڑھا اور مصیبت کا ہے تم کیا کرو گے اس واسطے اپنے حال پر رحم کرو اور کتاب میں لگو، ایک ڈیڑھ مہینہ رہ گیا ہے (اختتام) تعلیم کا۔ تجربہ یہ بھی ہے ساتھ میں۔ اگر آدمی شروع کا وقت غفلت میں گزار دے، آخر سال میں محنت کرے تو وہ بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہمارا ایک ہم سبق ساتھی تھا، اللہ تعالیٰ اس کا بھلا کرے۔ زندہ ہو۔ کچھ دن پہلے یہاں آئے بھی تھے ہندوستان کے رہنے والے ہیں، بہت ذہین آدمی تھے مگر بڑے بے پرواہ پڑھتے

پڑھاتے نہیں تھے سبق میں حاضری کم، مطالعہ تکرار کچھ نہیں۔ لیکن جہاں ششماہی امتحان آیا وہ میرے سر ہوا کہ مجھے یاد کراؤ۔ ششماہی امتحان کے بعد پھر وہ ایسے لگتے تھے کہ اس زمانہ میں وہ ایک ایک دو دو بجے تک میرے ساتھ بیٹھے رہتے تھے میں انہیں تکرار کراتا رہتا تھا۔ ایک دو مہینہ وہ محنت کرکے سب سے آگے جاتے تھے۔ سارے سال کی کسر نکال لیتے تھے وہ ایک، دو مہینہ میں بہت ذہین تھے، ہر ایک کیلئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے وہ تو اتفاق سے ذہین آدمی تھے۔

وقت کو پہچانو اور عمل کرو

لیکن بھئی پہلے نہیں کیا تو اب کرلو، اور اپنی جانوں پر رحم کرو، اپنے ماں باپ پر رحم کھاؤ، جنہوں نے تمہیں یہاں اس کام کے لئے بھیجا ہے کہ کچھ حاصل کرلو، حاصل کرنے کا یہی وقت ہے، یہ وقت گذر گیا تو پھر یہ چیز کبھی حاصل نہ ہوگی۔ ساری دنیا کی چیزیں آجائیں گی، جو کچھ تم چاہوگے سب کچھ مل جائے گا لیکن علم نہیں ملیگا، علم و تعلیم اور وہ سب چیزیں جو استادوں کے پاس رہ کر سیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اس میں علم، عمل اور اخلاق سب داخل ہیں، میں نے ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد ایسے لوگوں کی دیکھی ہے، انہوں نے اس وقت کو فضولیات میں برباد کیا۔ انجام کار آگے یہ کہ بربادی ہی بربادی ہے۔

اب اس وقت جو ہم پڑھا رہے ہیں، ہمارے طالبعلم جو کامیاب ہوتے ہیں، ہم اگر غور کریں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے معیار سے جانچیں تو تم میں سے پانچ بھی پاس کرنے کے قابل نہیں، پرانے معیار کے مطابق تم میں سے صرف دس یا پانچ بھی مشکل سے کامیاب ہوگے۔ چشم پوشی کرکے پاس کرتے ہیں، استعداد ویسے ہی گر رہی ہے۔ لیکن اگر مطالعہ اور کم کر دیا تو ظاہر ہے کیا حال ہوگا۔ بس اسی پر آج کی مجلس ختم کرتا ہوں۔

ولیتفقھوا فی الدین تفقہ فی الدین نہ حاصل ہوگا جب تک کہ اپنے سارے اوقات کو اور ساری توانائی کو ساری چیزوں سے قطع نظر کرکے اس کے پیچھے نہیں لگادوگے اس وقت تک تفقہ فی الدین نہیں آئے گا۔ اس میں آپ اسی مقصد کے لئے آئے ہو۔ والدین نے اسی مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ تم روٹی اسی کام کی کھاتے ہو۔ تم دنیا کو یہی دکھاتے ہو کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے یہاں آئے ہیں۔ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ اس کے اندر لگیں اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ دیں۔ اور اس میں لگ کر کوشش کریں، اب بھی اگر لگ کر کوشش کروگے تو انشاء اللہ سال بھر کی محنت وصول ہوجائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ نماز کی پابندی کرو۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ صبح کی نماز میں ایک ہی صف ہوتی ہے، جب میں معلوم کرتا ہوں کہ مطبخ میں کتنی روٹی پکتی ہے تو معلوم

ہوتا ہے کہ ۲۵۰ آدمیوں کی بستی ہے اور ہماری مسجد کی ایک صف میں ستر آدمی آتے ہیں، صبح کی نماز میں ایک صف ہوتی ہے۔ اور کبھی دو چار آدمی زائد ہو جاتے ہیں۔

غور کرو اگر نماز بھی ہم سے سیدھی نہ ہو تو کیا خاک ہم کریں گے، کم از کم نماز اور جماعت کا تو التزام اور پابندی کرو۔ اس کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ ہمدردی کیساتھ، شکوہ و شکایت نہیں، خیر خواہی اور ہمدردی سے جو طالب علم نہیں اٹھے۔ اس کو اٹھا کر جاؤ، اگر ایک طالبعلم صبح کی نماز میں اٹھ رہا ہے تو دوسرے کو جگا کر جائے، ہمدردی سے مہربانی سے، اگر وہ پھر سوتا رہ گیا۔ نماز سے واپس آؤ تو پھر جگا دو، دنیا پھرتی ہے تبلیغ کرتی ہوئی دعوت دیتی ہوئی دنیا کے اندر، تم سے اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے بھائیوں کے اندر اتنی تبلیغ کرو کہ وہ نماز کے پابند ہو جائیں۔ جماعت کے پابند ہو جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ملفوظات وارشادات

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف صاحب تھانوی قدس سرہ

منضبط کردہ
حضرت مولانا شاہ حافظ جلیل احمد صاحب شیروانی (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ و بانی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات بہت سے حضرات نے قلمبند فرمائے ہیں جن میں سے بیشتر شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ حافظ جلیل احمد صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ حضرتؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نے بھی حضرتؒ کے ملفوظات قلمبند فرمائے تھے جو ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔ حضرت مولانا کے فاضل صاحبزادے حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی مدظلہم کے ہم شکر گزار ہیں کہ ان ملفوظات کی اشاعت کی سعادت ان کے ذریعہ "البلاغ" کو حاصل ہو رہی ہے۔ (ادارہ)

(۱) فرمایا کل ایک بات دفعۃً سمجھ میں آئی، مجھکو بڑی خوشی ہوئی اور میں نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا وہ یہ ہے کہ یہ جو تصوف کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ امور طبیعیہ نہ محمود ہوتے ہیں نہ مذموم، یہ بالکل صحیح ہے مگر اس کے اندر ایک تفصیل ہے جو کل سمجھ میں آئی، وہ یہ کہ امور طبیعیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی عمل سے ناشی نہ ہوں بلکہ فطری ہوں وہ تو نہ محمود ہیں نہ مذموم، اور ایک قسم امور طبیعیہ کی یہ ہے کہ جو فطری نہ ہوں بلکہ کسی عمل سے ناشی ہوں۔ تو پھر ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کسی عمل محمود سے پیدا ہوئے ہیں تب تو محمود ہوں گے اور اگر کسی عمل مذموم سے پیدا ہوئے ہیں تو مذموم ہوں گے۔ اب تک یہ مضمون ناتمام تھا۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل فرما دیا، اور یہ ایک حدیث میں غور کرنے کی برکت سے سمجھ میں آیا۔ حدیث میں آیا ہے :-

اذا سرتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت مؤمن یعنی اگر نیک کام کرکے تجھکو مسرت ہو اور گناہ کرکے تیرا جی برا ہو تو تو مومن ہے۔ تو اب یہاں مسرت جو ہے وہ ایک امر طبعی ہے مگر چونکہ یہ ایک عمل صالح سے پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کو علامت ایمان کی فرمایا گیا۔ اور جو چیز محمود نہ ہو وہ ایمان کی علامت نہیں بن سکتی، تو معلوم ہوا کہ یہ محمود ہے اور گو یہ امر فی نفسہ طبعی نہیں ہے مگر حال لازم ہوجانے سے مثل امر طبعی کے ہوجاتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس مسرت کو امر طبعی بنادیا، اسی طرح اگر کسی کو قبض (یہ ایک باطنی کیفیت کا نام ہے) ہو تو اگر وہ کسی گناہ کے سبب ہو تب تو وہ مذموم ہے اور اس کے علاج کی ضرورت ہے۔ اور اگر اس کا سبب کوئی گناہ نہ ہو تو اس کی کچھ فکر نہ کرے کیونکہ وہ مذموم نہیں۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی بات نہ کرے اور سوچ سے سمجھ میں آئے تو اس میں غلطی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور اگر بلا سوچے خود بخود کوئی بات سمجھ میں آجائے تو اس میں بھی غلطی کا احتمال ہوتا تو ہے مگر کم۔ میں تو یہی کہوں گا کہ یہ عطا ہے۔

نوٹ:- اس ملفوظ کے متعلق حضرت حکیم الامت مدظلہ نے خصوصیت سے ارشاد فرمایا تھا کہ لکھنے کے قابل ہے میں اس کو کہیں لکھوادوں گا احقر نے اس کو لکھ کر ملاحظہ کرادیا تھا (جلیل احمد) اس مجلس میں مولانا عبدالماجد دریابادی، حافظ عبدالمجید صاحب مولانا سراج الحق صاحب الہ آبادی بھی تھے

(۲) فرمایا میں نے وعظ کہا تھا اس کے اندر بڑے بڑے جنٹلمین قسم کے لوگ تھے اس وعظ میں میں نے بیان کیا کہ یہ کون کہتا ہے کہ دنیا کی طرف توجہ مت کرو ہم کو تو حکم ہے کہ دین کی طرف بھی پوری توجہ کرو۔ اور دنیا کی طرف بھی پوری توجہ کرو، تاکہ دنیا کی حقیقت پورے طور پر منکشف ہوجائے۔ جیسے کہ ایک بوڑھیا نہایت بدشکل اوپر سے ایک نہایت خوبصورت برقعہ اوڑھلے تو جو غیر حکیم (ناسمجھ) ہوگا وہ تو یہ کہیگا کہ اس کی طرف مت دیکھو، لیکن جو حکیم ہوگا یہی کہے گا کہ نہیں ضرور دیکھو تاکہ اس کی اصل صورت دیکھ کر تم کو نفرت ہوجائے ایسا ہی ہم کو حق تعالیٰ کا حکم ہے۔

(۳) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بناء علی القبور کا مطلب بعض لوگ اس وقت یہ بیان کرتے ہیں (یعنی بناء علی القبور کی جو ممانعت آئی ہے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ قبر کے اوپر کوئی عمارت نہ بنائی جائے (نہ یہ کہ قبر کے اردگرد کوئی عمارت بنائی جائے جیسے کہ آج کل رواج ہے) فرمایا کہ یہ موٹی بات ہے کہ شریعت میں اس بات سے منع کیا ہے جس کی عام طور پر عادت ہو، چنانچہ شراب سے تو منع کیا گیا ہے مگر گوموت کھانے پینے سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ اس کی عادت نہیں اور شراب پینے کی عادت ہے تو قبر کے اوپر (یعنی اس طرح کہ قبر کی عمارت چاروں طرف نہ ہو بلکہ خاص قبر کے اوپر تعمیر ہو اس طرح) تعمیر کرنے کی اس وقت کہیں عادت نہیں تھی اور شریعت میں منع اس بات سے کیا جاتا ہے جس کی عادت ہو، تو اس کی ممانعت مراد ہو ہی کیسے سکتی ہے؟

اس پر مولوی صاحب موصوف نے عرض کیا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی اس وقت یہ عادت تھی کہ قبر کو اونچا بنایا جاتا تھا فرمایا یہ تو ارتفاع القبر ہے بناء علی القبر نہیں اور یہاں ذکر بنا علی القبر کا ہے
نوٹ :۔ اس مجلس میں مولانا عبد المجید بچھرانوی ، حافظ عبد المجید ، مولوی عبد الماجد دریابادی اور مولوی سراج الحق الہ آبادی بھی تھے ۔

(۴) فرمایا ، اخبار میں لکھا ہے کہ ایک عورت کو ایک وصیت کے ذریعہ سے بہت بڑی مقدار میں روپیہ ملا ، اس نے بینک سے روپیہ وصول کیا ، اس کے بعد وہ خودکشی کو تیار ہو گئی اور اپنے آپ کو پانی میں ڈبوتے ہوئے پائی گئی اور اس کے ہاتھ میں نوٹ تھے پوچھا تو کہا کہ میں گھبرا گئی کہ اتنے روپیہ کا کیا کروں گی ۔ فرمایا اس گھبرانے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اندر دین نہ تھا ورنہ یہ سوچتی کہ خیرات کر دوں گی ، معلوم ہوتا ہے کہ مال اس کے دل کے اندر تھا ورنہ بوجھ نہ ہوتا ، اگر میرے پاس اتنی رقم یا اس سے زیادہ ہوتی تو میں اس رقم سے تھانہ بھون کی ساری زمینیں خرید کر وقف کر دوں اور یہ شرط کر دوں کہ کوئی کافر یہاں آباد نہ ہو ، ایک چھوٹا سا دار الاسلام ہو جائے اس پر مولوی عبد الماجد دریابادی نے عرض کیا کہ حضرت ! ایسا خیال کسی کا نہ ہوا ہوگا اور مصارف خیر تو ذہن میں آئے ہوں گے ۔ مگر یہ عظیم مصرف ذہن میں نہ آیا ہوگا ۔
نوٹ :۔ اس مجلس میں مولوی عبد الماجد دریابادی ، حافظ عبد المجید صاحب اور مولانا سراج الحق الہ آبادی بھی تھے ۔

(۵) ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر عمر مثلاً زید کو نوکر رکھنا چاہے اور مثلاً خالد عمر پر ظاہر کر دے کہ زید چور ہے اور واقع میں بھی زید چور ہو تو کیا یہ غیبت جائز ہے ؟ فرمایا کہ اس میں چونکہ عمر کا دینی نفع ہے اس سے یہ غیبت جائز ہے ۔

نوٹ :۔ اس وقت مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مولانا شمس الحق بھی موجود تھے ۔

(۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیبت وہ ناجائز ہے جو شفائے غیظ یعنی دل کی بھڑاس نکالنے کی وجہ سے کی جائے یا دوسرے کے خوش کرنے کی غرض سے کی جائے مگر اس کے کچھ مستثنیات بھی ہیں ۔

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ میں فلاں جگہ نبض دیکھنے کی غرض سے گیا وہاں میرے تعلقات تھے وہ ایک جگہ شادی کرنا چاہتے تھے اور جس جگہ وہ شادی کرنے والے تھے وہ مدقوق تھے ، تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ وہ تو مدقوق ہے تو کیا یہ غیبت جائز ہے یا نہیں ؟
فرمایا کہ اس میں مدقوق کا ضرر کیا ہوا ؟ ان حکیم صاحب نے عرض کیا کہ ایسے موقع پر کچھ خرچ بھی کیا کرتے ہیں اور اگر وہ یہ سن لے کہ میں نے اس کے مدقوق ہونے کی اطلاع کر دی ہے تو اس کو ناگوار ہوگا ، فرمایا کہ اس کا اعتبار نہیں ، بلکہ اس میں تو اس مدقوق کو بھی ضرر سے بچانا ہے ، کیونکہ مدقوق کو ایسی حالت میں شادی سے نقصان پہنچتا ہے اور فرمایا کہ نیز اس میں اس شخص کو بھی جو

اس مدقوق سے شادی کرنا چاہتا ہے ضرر سے بچاتا ہے لہٰذا یہ غیبت جائز ہے۔

(۷) فرمایا لوگوں کے جو علوم ترقی سے رک گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پوچھنا چھوڑ دیا ہے پوچھنے کا سلسلہ بڑا اچھا ہے۔

(۸) فرمایا ایک نیا علم عطا ہوا ہے، ابھی اس کی تھوڑی عمر ہے آٹھ دن ہوئے اس کو عطا ہوئے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے اُدعُوا اللّٰہَ وَاَنتم موقنون بالاجابۃ (کہ تم دعا کرو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں کہ قبولیت کا یقین رکھنے والے ہو) تو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ اجابت کا ہونا یقینی تو ہے نہیں کیونکہ مشاہدہ ہے کہ کبھی دعا مستجاب ہوتی ہے اور کبھی نہیں اور غیر یقینی کو یقینی سمجھنے کا حکم شان شارع کے خلاف ہے اور اس حدیث میں حکم ہے کہ اجابت کا یقین رکھو، تو شارع پر اعتراض لازم آتا ہے کہ غیر واقعیات کو یقین سمجھنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اجابت کی ایک تو صورت ہوتی ہے اور ایک روح صورت تو یہ ہے کہ جو چیز مانگی وہ مل گئی اور اجابت کی روح یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ بندہ کی طرف رحمت خاص کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔

تو صورت اجابت تو کبھی پائی جاتی ہے اور کبھی نہیں، اور روح اجابت تو ہمیشہ پائی جاتی ہے اور انتم موقنون اس روح اجابت ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اجابت کے معنیٰ منظوری کے ہیں اور منظوری کی دو صورتیں ہیں پھر خواہ ایک صورت سے منظور ہو جائے یا دوسری صورت سے اور حضرت حکیم الامت دام ظلہم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک شخص دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھ کو سو روپیہ مل جاویں تو اس کے معنی شریعت میں بھی یہی لئے گئے ہیں کہ یہ شخص رحمت خاص کا طالب ہے۔ مگر چونکہ وہ اپنے ذہن میں اس رحمت خاص کی یہی صورت سمجھتا ہے کہ سو روپیہ مل جاویں اس لئے وہ یوں کہتا ہے کہ سو روپیہ مل جاویں تو جس اجابت کا یقینی سمجھنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہ یہی رحمت خاص کے ساتھ بندہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

(۹) اس کا ذکر تھا کہ آج کل لوگ کہا کرتے ہیں کہ علماء کو چاہیے کہ فلاں فلاں شبہات کا جواب لکھ کر شائع کردیں۔

فرمایا کہ طبیب کو کوئی یہ رائے نہیں دیتا کہ تم میرے مرض کا جواب لکھکر شائع کردو بلکہ وہاں تو جب اپنے مرض کا احساس ہوتا ہے تو فوراً خود حاضر ہو کر اپنے مرض کا علاج دریافت کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی چاہیے کہ جب اپنے شبہ کا احساس ہو جائے تو خود علماء سے رجوع کر کے اس شبہ کے حل کا طریقہ دریافت کریں پھر وہ جو صورت اس حل کی تجویز کریں اس کا اتباع کریں

فرمایا مولانا سید اصغر حسین صاحب نے ایک بشارت سنائی کہ حضرت مولانا (محمود حسن صاحب) دیوبندی قدس سرہ۔ فرماتے تھے کہ جب میں نے ترجمہ لکھنا شروع کیا (غالباً یہ تذکرہ

بقیہ صفحہ ۵۳ پر

افادات: علامہ انور شاہ کشمیریؒ
ترجمانی: نظر شاہ مسعودی کشمیری

افراط و تفریط کہاں نہیں کسی سے خوش ہوئے تو کاخ پر پہونچا دیا رنجش ہوئی تو خاک پر دے مارا حالانکہ محتاط علماء نے لکھا ہے کہ استحقاق سے زائد لقب دینے پر بھی مؤاخذہ ہوگا سلف نہ کسی کو "شیخ الاسلام" لکھتے نہ "امام المسلمین" بلکہ بڑی سے بڑی شخصیت کے لئے ایک آدھا اعزازی اضافہ جو اس کی واقعی حیثیت کو نمایاں کرے کشمیر میں علم سے زیادہ نمائش علم ہے۔ اگر کسی نے عربی کے دو چار لفظ پڑھ لئے تو ملاقات میں بجائے اردو کے عربی بولے گا پھر یہ عربی، عرب نژاد نہیں ہوتی بلکہ ہندوستان کی پیداوار پھر کیا فائدہ اس نمود و نمائش سے؟ علامہ انور شاہ کشمیریؒ اک بار کشمیر تشریف فرما تھے ایک کشمیری مولوی فتویٰ لکھ لایا جس پر مرعوب کرنے کے لئے فتاوائے عمادیہ کی غلط سلط عبارت بھی لکھ دی علامہ کشمیریؒ نے فتویٰ ہاتھ میں لیا اور اپنے مخصوص لہجے میں حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل پڑھا فرمایا کہ "عمادیہ" کی عبارت غلط لکھی گئی میں نے پینتیس سال پہلے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا عبارت یہ نہیں بلکہ یہ ہے اور موصوف نے تقریبًا ایک صفحے کی عبارت پڑھ ڈالی کشمیری ملا منقار زیر پر ہوگیا علامہ کشمیریؒ کے با اختصاص شاگرد مولانا محمد یوسف بنوریؒ استفتاء کا جواب لکھنے بیٹھے تو علامہ کشمیریؒ کے اس تازہ واقعۂ حفظ سے اس درجہ متاثر تھے کہ علامہ کے نام کے ساتھ بہت سے تعظیمی القاب بڑھا دیئے کشمیریؒ نے قلم اٹھایا اور سب اضافے کاٹ دیئے فرمایا کہ صرف "انور شاہ کشمیری" لکھیئے اور اگر طبیعت کچھ لکھنے کیلئے بیتاب ہی ہو تو فقط "الاستاذ محمد انور شاہ کشمیری" لکھیئے یہ تھا صالحین کا طریقہ اور اسلاف کی احتیاط۔

چاروں ائمہ اسلام کا راس المال، مسلمانوں کا سرمایہ، ملت کا اثاثہ ہیں لیکن ملت ان کو زیادہ سے زیادہ امام کہتی رہی امام بخاری، امام مسلم نہ قدوۃ المسلمین نہ قدوۃ الانام، ہندوستان میں ایک فرقے نے اپنے علماء کے لئے پنجابی طرۂ دستار سے بھی زائد القاب چھانٹے اور دیکھتے دیکھتے یہ بدعت ان حلقوں تک

پہونچ گئی جواتباعِ سنت یا سلف کے طرز کو اپنانے کے دعوے دار ہیں فیا اسفاہ رہا پاکستان تو وہاں ہر شخص علامہ فہامہ ہے کے نام کے ساتھ خود پاکستان سے لمبے چوڑے القاب نظر آئیں گے، عالم ربانی وہ ہے جس نے صحیح علم حاصل کیا، علم پر عمل کیا اور اشاعت علم میں جٹ گیا تینوں شرطیں بڑی کڑی ہیں مگر آزادی کے ساتھ یہ بھی آزادی آئی جسے چاہے عالم ربانی کہہ دیجئے نہ خوف دار وگیر نہ خطرہ پکڑ دھکڑ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ "مولانا انور شاہؒ عالم ربانی ہیں" مجلس میں موجود ایک صاحب جو عالم ربانی کا مفہوم نہ جانتے سمجھے کہ التھانوی نے "الکشمیری" کی تعریف میں بخل کی جھٹ پٹ بولے "حضرت وہ تو بہت بڑے عالم ہیں" فرمایا کہ "بھائی میری بات بھی سمجھ رہے ہو علم تو ان کا مسلّم ہی ہے میں کہہ رہا ہوں کہ وہ عالم ربانی ہیں" الحاصل ماضی مرحوم کی شخصیتیں نہ بخیل واقع ہوئی تھیں نہ القاب دینے میں فیاض جس کے ساتھ جو معاملہ تھا سوچ سمجھ کر احتیاط کی چھلنی میں چھان کر۔

آخر کی چند صدیوں میں کم ہی ایسی ہستیاں گزریں جن کے علم و دانش کو عام قبولیت حاصل ہوئی خانوادۂ ولی اللّٰہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بعد مولانا انور شاہ کشمیری اس فہرست میں شریک ہیں جسے دیدہ ور علماء نے باکمال اہلِ علم کا جاذب قلب و نظر عنوان دیا ہے قدیم و جدید حلقوں میں آپ کی عبقریت یکساں مسلّم ہے اگر ایک جانب قطار اہلِ علم آپ کے بے پناہ علم کو منفرد قرار دیتی ہے تو ڈاکٹر اقبال ایسا دانشور آپ کی ذہانت کا شاہد ہے افسوس کہ آپ کا تمام علمی اثاثہ عربی میں ہونے کی بناء پر اردو داں حلقہ آپ کے واقعی تعارف سے نا آشنا ہے راقم الحروف جو عمر کی ساٹھ منزلیں گزار چکا اور ساٹھا پاٹھا بھی نہیں بلکہ نحیف و نزار ہے اب سوچتا ہے کہ افاداتِ انور کو عام حلقوں تک بھی پہونچایا جائے شاید پڑھنے والوں کے لئے راہِ نجات کے کچھ سنگِ میل نمایاں ہوں تو لیجئے حقیقت نماز پر آپ کا ایک گرانمایہ افادہ ! فرمایا :۔

" شریعت کے اوامر و مناہی کی حکمتیں اس کا نام علم اسرار و حکم ہے قرآن و حدیث میں بہت سے مامورات و منہیات کی حکمتیں موجود ہیں مگر اسلام کی بالغ النظر شخصیت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ عمل کو اس وقت تک مؤخر کرنا تاوقتیکہ حکمت معلوم نہ ہو بڑا پاپ ہے بندگی کا تقاضہ ہے کہ جب خدا اور خدا کے رسول کا کوئی امر یا نہی پہونچے تو بلا تامل سرگرم عمل ہو قرن اول میں جس معاشرے کی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اس کا ہر فرد سراپا بندگی تھا علم اسرار و حکم میں محی الدین ابن عربی" کے بعد خوب درک رکھتا ہوں اس وقت کچھ نماز کے اسرار و حکم بتانا مقصود ہیں لیکن یہ واضح کردوں کہ نماز کے حقائق کو سمجھنے سے عقلِ انسانی قاصر ہے خصوصاً وہ نماز جو آپؐ کی امت پر عائد کی گئی حقیقتاً یہ ایک خزانہ تھا جو بطفیل سید الابرار امتِ مرحومہ کو دیدیا گیا کاش کہ ہم اس نعمتِ جلیل کی قدر کرسکتیں اور قدرشناس فہرست میں ہمارا نام آجائے معلوم ہے کہ سب سے پہلا فرض ایمان ہے اس کے بعد اعضاءِ مستورہ کا پردہ (سترِ عورت) اور تیسرے نمبر پر نماز ہے قدیم دور سے تعظیم و توقیر کے چند طریقے چلے آتے (۱) کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا (۲) سر جھکانا (۳) گھٹنوں کے بل بیٹھنا (۴) سجدہ ریز ہونا۔ یہ چاروں انداز نماز میں سمولئے گئے اور چونکہ سجدہ خود کو عاجز و ذلیل دکھانے کی بھرپور

صورت ہے اس لئے بندگی کا یہ مظاہرہ بندوں کی جانب سے خدا تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمالیا اس لئے ہماری شریعت میں کسی بھی زندہ یا مردہ شخصیت کو سجدہ کرنا حرام ہے نیز ملاقات میں کسی کے سامنے سر جھکانا مکروہ تحریمی ہے اور تعظیماً کسی غیر خدا کے لئے رکوع شدید ممنوع ہے رکوع سجدے سے بہت قریبی شکل ہے اس لئے رکوع وسجدہ دونوں کو صرف خدا کے لئے مخصوص کیا گیا البتہ ادباً کسی کے سامنے قیام اور دوزانو پر نشست امت کے لئے چھوڑ دی گئی کہ کھڑے ہونے کی صورت میں کسی محترم شخصیت کے سامنے قیام اور بیٹھنے کی حالت میں دوزانو پر بیٹھنے میں مجاز ہے واضح رہے کہ قیام سے مراد اختلافی قیام نہیں ذکر کی جو صورتیں صاحب شریعت سے منقول ہیں ان کے مجموعے کو اذکار کہتے ہیں صوفیا سے منقول طریقے اشغال کہلاتے ہیں اذکار میں تسبیح، تکبیر، اور تحمید ہے یہ سب سے اعلیٰ اذکار ہیں رکوع، قیام، نیز سجدے میں ان تینوں کو جمع کر لیا گیا کہ اعضاء کے ساتھ زبان بھی ہم آہنگ ہو یہ بھی یاد رکھیئے کہ انبیاء علیہم السلام کے جن اقوال واطوار کو خدا تعالیٰ کی پسندیدگی نصیب ہوئی امتِ محمدیہ کیلئے انھیں شعار بنا دیا گیا ابراہیم خلیل اللہ کی تو بہت سی محبوب ادائیں اور پسندیدہ اقوال ہماری شریعت کے اجزاء ہیں ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو کواکب پرستی کی گمراہی سے نکالنے کے لئے جو پُر حکمت طریقہ اختیار کیا تھا کہ سورج کو دیکھ کر ھٰذا ربی ھٰذا اکبر فرمایا اس کی اصلاح فرما کر نماز کا تحریمہ بنا دیا گیا اکبر تو پسند ہوا لہٰذا نماز کا آغاز اسی سے کیا معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی کو تسلیم کرنیکی مکمل شکل نماز ہے لیکن ہذا سے اشارہ سورج کی طرف تھا اور غیر خدا خدا نہیں ہو سکتا اس لئے ھٰذا ربی کو چھوڑ کر صراحتاً اللہ کا ذکر فرماتے ہوئے اکبر اس کے ساتھ اضافہ کیا گیا یہی مقولہ ابراہیمؑ میں اصلاح تھی اس محبوب قول کی حفاظت کی شکل اس سے بہتر کیا ہوتی کہ قیامت تک کے لئے نماز میں داخل کر لیا جائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ فطری زائد صلاح کے حامل ہیں اس لئے آپ کے اقوال میں اصلاح کی ضرورت پیش نہیں آئی آپ نے پہلی کی چاند کو دیکھ کر جو دعا کی یا امت کو تعلیم دی اس میں ہے کہ اے اللہ اس ماہ کو ایمان وامن سے گزار اسلام وسلامتی سے سرفراز فرما اے چاند میرا اور تیرا رب ایک ہے ربی وربک اللہ) سبحان اللہ آپ کی مزکیٰ زبان پر کوئی مبہم وموہم بات نہیں آئی روایات میں۔ ہے کہ ابراہیمؑ نے جب سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تو قوم کو چونکاتے ہوئے فرمایا کہ غروب ہونیوالا میرا رب نہیں ہو سکتا غیر اللہ سے خدائی کی پُر زور نفی میں یہ بھاری بھر کم کلمات آپ کی زبان پر آئے، اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ اپنی توجہات کو خدا تعالیٰ کی طرف مرکوز کرنے کے لئے یہ دل نشیں کلمات بھی آغاز نماز میں لے لئے گئے اور شریعت نے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا یہ اس لئے کہ بعض ہیئت تیقظ پر جب کہ کچھ غفلت پر دلالت کرتی ہیں تحریمہ کے بعد اس طرح ہاتھ باندھ لینے کا راز نمازی کو متیقظ رکھنے کے لئے ہے۔ ناف بالکل درمیان میں ہے یہ جسم کو اعلیٰ واسفل میں تقسیم کرتی ہے نیچے کا حصہ شہوانی قوتوں کا مرکز ہے اور بالائی روحانیت کا سرچشمہ، ہاتھ ناف کے قریب باندھے جائیں گے تاکہ سرحد پر مضبوط چوکسی رہے اور شہوانیت، روحانیت پر حملہ آور نہ ہو بادشاہوں کے یہاں حاضری پر پہلے انکی مناسب تعریف کی جاتی ہے ان کے جلال وعظمت کا اعتراف اور دشمنوں کی یلغار سے ان کی پناہ میں آنے کا اظہار

ثناء استعاذہ کا یہی مقصد ہے کہ ابلیس ایسے حملہ آور سے نماز جیسی محبوب عبادت میں خدا تعالیٰ ہی بچاسکتا ہے وَذٰلِکَ عَلَیْہِ عَزِیْز پھر بسم اللہ پڑھی جائیگی بسم اللہ کے بارے میں نظامی فرماتے ہیں۔

ہستِ کلیدِ درِ گنجِ حکیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یعنی حکیم کے خزانے کی کنجی بسم اللہ الخ ہے عارف جامی کا فرمودہ ہے۔

ہست صلائے سرخوان کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یعنی کریم کے دستر خوان سے رُتبہ ربّانی بسم اللہ سے ہوگی، امیر خسرو بسم اللہ کی عظمتوں کو یوں واشگاف کرتے ہیں۔

مطلع انوارِ خدائے کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یعنی تجلیاتِ ربّانی کا مطلع بسم اللہ ہے ہر سہ عارفین نے پُرشکوہ مضمون باندھا ہے پھر بھی "نظامی" کا مضمون ترجیحی ہے ان مضامین سے بسم اللہ کی عظمتیں نمایاں ہیں۔ متصلاً قرأت ہوگی جو نماز کا لُبِّ لُباب ہے بیہقی اور ابن عدی کی روایت سے قرأت کی اہمیت کھلے گی رسول اللہ نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کا ایک حرف پڑھنے سے یک سونیکیاں ملتی ہیں سو گناہ معاف ہوتے ہیں اور مراتبِ آخرت سے یکصد بڑھا دیئے جاتے ہیں اور نماز باجماعت کا ستائیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے" اس حدیث کی روشنی میں اگر ایک دن کے فرائض مع سنن میں سورۃ فاتحہ اور صرف سورۂ اخلاص کے اجر کا حساب کیا جائے بشرطیکہ نماز باجماعت پڑھی ہو تو تقریباً ساٹھ لاکھ ثواب ملتا ہے دوسرے ارکان نماز کا اجر اس کے علاوہ ہے اور اگر ان محققین کی رائے لی جائے جو مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں ہر عدد کو ستائیس تک ڈبل کرنے کا فلسفہ بیان کرتے ہیں تو یک روزہ فرائض و سنن کا اجر چودہ ارب سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

"حکیم ترمذی" نے نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ تسبیح سے اعمال کی تطہیر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی تقدیس سے گناہ دُھلتے ہیں اور اللہ اکبر کہنے سے اعمال عرش تک پہنچتے ہیں اور حمد و درود دعاؤں کی قبولیت کے لئے آزمودہ نسخہ ہے اس لئے ان سب اعمال کو نماز میں شریک کیا گیا مجھے تحقیق و تفتیش کے دوران یہ بھی منکشف ہوا کہ دونوں ہاتھ نماز کے دوران مصروفِ عبادت رہتے ہیں اسے یوں سمجھئے بدن استقبالِ قبلہ کرتا ہے تو ہاتھ بھی استقبال کرتے ہیں اس لئے دونوں ہاتھ اس طرح کان تک لے جائیں ہتھیلیاں بجانبِ قبلہ ہوں پھر جس طرح بدن قیام کرتا ہے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑنا ہاتھ کا قیام ہے ہاتھوں کا رکوع بوقت رکوع گھٹنوں کا تھامنا ہے ہاتھوں کا بوقت سجدہ زمین پر ٹیکنا خود ہاتھ کا سجدہ ہے اور ہاتھ کا قعود ران پر ہاتھ رکھ لینا ہے سلام کے وقت چہرہ دائیں بائیں کیا جائے گا جس کی متابعت بدن بھی کرے گا اور ہلکی سی جنبش کے ساتھ ہاتھ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "التحیات" معراج کی رات میں خدا اور رسول کے مابین ایک مذاکرہ کی یادگار ہے اس لئے اس کا بہترین

محل قعود ہی تھا۔

خاتمے پر سلام ہے اقوام وملل میں سلام کے مختلف طریقے رہے ہیں حبش والے صرف دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر بطور سلام رکھتے بادشاہانِ حمیر کے یہاں سلام میں صرف انگلی اٹھادی جاتی اسلام نے تمام طریقوں میں اصلاح کی تو سلام کے بھی انداز کو بدل دیا نماز کے اختتام پر سلام اصلاح کردہ طریقے کے مطابق ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ نماز کی ابتداء، انتہا اور درمیانی حصہ ہے ابتداء تو تحریمہ ہے اس لئے جو آغاز ہی سے امام کے ساتھ شریک جماعت ہو وہ مقربین میں ہے اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ اور مرکز وہ ہے جب سورۂ فاتحہ ختم ہو اور آمین کہی جائے حدیث سے واضح ہے کہ آمین میں شرکت کرنیوالا مستحق مغفرت ہے اور اگر اس مرحلے میں بھی شریک نہیں ہوا تو رکعت کا شریک وہی کہلائے گا جس نے امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کی بشرطیکہ قیام میں امام کے ساتھ اتنی دیر کھڑا ہو جس وقفے میں تین بار تسبیح پڑھنے کا امکان ہے ورنہ تو شرکتِ رکعت نہیں ہوگی اس سے میں سمجھا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے لیکن امام کا قیام مقتدی کا قیام متصور نہیں جب ہی تو شریک ہونیوالے کو قرأت کا پابند نہیں کیا گیا مگر قیام بمقدار تین تسبیح ضروری ہوا۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ کل مخلوق مصروفِ عبادت ہے اشجار حالتِ قیام میں ہیں چوپائے رکوع میں حشرات الارض سجدے میں سورج کا طلوع مشابہ قعود ہے استواء اس کا قیام ہے غروب اس کا سجدہ ہے نیز حدیث میں ہے کہ فرشتے آسمانوں پر نماز میں مصروف ہیں اور اتنے کثیر کہ ایک انگل بھی جگہ باقی نہ رہی مگر کچھ قیام میں ہیں کچھ رکوع میں اور کچھ دائماً سجدے میں تاہم مکمل نماز کسی مخلوق کو نہیں دی گئی کامل نماز کی سعادت صرف مومنین کے حصے میں آئی۔ ربنا اجعلنا مقیم الصلوٰۃ واجعلھا قرۃ اعین لنا وما توفیقنا الا باللہ۔

بقیہ: ملفوظات وارشادات

دوسری دفعہ نظر ثانی کے وقت ہوا ہوگا) تو اس وقت بیان القرآن بھی میرے پاس تھی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ کس مقام تک مولانا نے بیان القرآن دیکھی ہوگی، مولانا دیوبندیؒ نے فرمایا کہ اب تک میں نے اس میں کوئی غلطی نہیں دیکھی۔

اس ارشاد کے وقت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مدظلہم بھی تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ مسئلہ تو ہم بھی لکھدیتے ہیں مگر وہ چلتا نہیں اور حضرت کے متعلق فرمایا کہ مولانا (تھانوی) کوئی مسئلہ لکھتے ہیں تو وہ چل پڑتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل میمن مدنی مدظلہم العالی
(مقیم کینیڈا)

مناقب صحابہؓ

قسط (۱)

صحابہ کرام کے بارے میں کلام کرتے وقت احتیاط کا حکم بے شمار احادیث میں آیا ہے ان سب احادیث کا احصاء اور انہیں یہاں ذکر کرنا اس بے بضاعت اور بے علم کے لئے ناممکن ہے نمونہ کے طور پر محض چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے بارے میں کیا کچھ ارشاد فرمایا، نیز یہ احادیث اس لئے بھی ذکر کی جارہی ہیں، تاکہ وہ حضرات جو صحابہ کرام پر آزادانہ تنقید کیا کرتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہوئے نہیں چوکتے۔ ان پاک ارشادات کی روشنی میں اپنے اپنے اعمال کا خود جائزہ لے لیں۔ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ

صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

برا بھلا کہنا، یا بدظنی رکھنا۔ کسی عام مسلمان سے بھی جائز نہیں کہ "سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ"۔ کجا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ جن میں سے ہر ایک کے جنتی ہونے اور ہر ایک سے اللہ کے راضی ہونے کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقائد میں شامل ہیں۔ اسی لئے احادیث میں صحابہ کرام کے معاملہ میں خاص طور پر احتیاط کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ انہیں برا بھلا کہنا، ان سے بدظنی رکھنا یا ان کے بارے میں دل میں بدرجہ ادنیٰ بھی گرانی ہونا ایمان کے لئے سخت مہلک ہے۔

○ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتسبوا اصحابی فان احدکم لو انفق

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے صحابہ کو برا نہ کہو، کیونکہ تم میں سے

مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصیفہ۔
(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

کوئی آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے، تو وہ کسی صحابی کے ایک مد یا آدھے مد خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

ف:۔ مد: عرب کا ایک پیمانہ ہے جو وزن کے لحاظ سے ہمارے ہاں رائج ایک سیر کے برابر ہوتا ہے۔

اس حدیث نے واضح طور پر بتلا دیا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و صحبت وہ نعمت عظیمہ ہے۔ جس کی برکت سے کسی بھی صحابی کا عمل دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں وہ نسبت رکھتا ہے کہ ان کا ایک سیر بلکہ آدھا سیر دوسروں کے پہاڑ برابر وزن سے بڑھا ہوتا ہے اسی لئے کسی بھی صحابی کے عمل کو دوسرے لوگوں کے اعمال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ایک حدیث میں حضرت انس رض روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"میرے صحابہ کو میرے خاطر چھوڑ دو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالو۔ تب بھی تم ان کی نیکیوں کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رض روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تمہارے بعد آنے والی کوئی قوم بھی تمہارے صاع اور مد خرچ کرنے کے برابر ثواب کو نہیں پہنچ سکے گی۔" (ابن ماجہ، مستدرک)

ایک اور حدیث کو حضرت حسن بصری رح نے مرسلاً نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"تمہیں میرے صحابہ سے کیا واسطہ! میرے صحابہ کو میرے خاطر چھوڑ دو ــــــــ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے بھی ایک دن کے عمل کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔" (ابن عساکر)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ میرے صحابہ کو چھوڑ دو۔ بلاشبہ اگر تم میں سے کوئی شخص روزانہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے۔ تب بھی وہ ان کے ایک مد اور آدھے مد خرچ کرنے کے برابر نہ ہوگا۔" (کنز العمال)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

" اے لوگو! تم میرے صحابہ کے بارے میں اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں، میری رعایت کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت کے دن کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا (خطیب ابن عساکر، عن سہل بن مالک)

ایک حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ۔

میں اپنے صحابہ کے بارے میں، جنہوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ بدکلامی سے روکتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور اس نے اپنی کتاب میں بھی ان کی تعریف فرمائی ہے، تم بھی میرے صحابہ کے معاملہ میں میرا لحاظ رکھا کرو ۔ اس لئے کہ وہی میری اکثر توجہات کا مرکز ہیں چنانچہ لوگوں نے جب مجھے دھتکارا تو انہوں نے مجھے چمٹایا ۔ لوگوں نے جب میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی اور لوگوں نے جب مجھ سے قتال کیا تو انہوں نے میری مدد کی ۔ پھر خاص طور پر انصار کا تو بڑا ہی خیال رکھو اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے خوب ہی جزا عطا فرمائے کہ وہ بڑے ہی سچے عہد والے ہیں ۔ (کنز العمال)

حضرت ابن عمرؓ اور براؓ ابن عازبؓ کا قول :

صحابہ کرام کا نیکیوں میں یہ اخلاص اور احسان ہی ہے، جس کی بنا پر حضرت براؓ بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ " حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ صحابہ میں سے کسی ایک کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھڑی بھر رہنا دوسروں کی تمام عمر کی نیکیوں سے افضل ہے ۔ (ابن عساکر)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا نہ کہو ۔ ان میں سے کسی ایک کا گھڑی بھر سو لینا بھی تمہاری عمر بھر کی نیکیوں سے بہتر ہے ۔ (مرقاۃ)

یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ ۔

میری امت میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو میرے صحابہ کے معاملہ میں (بدکلامی اور زبان
درازی کی) جسارت کرتے ہیں۔" (مرقاۃ)

نیز حضرت انسؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ۔
جس شخص نے میرے صحابہ کے بارے میں اچھی بات کہی وہ نفاق سے بری ہے اور جس نے
اُن کے بارے میں بدکلامی کی، اس نے میرے طریقہ کو چھوڑ ڈالا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے
جو بڑی ہی بری جگہ ہے۔ (کنز العمال)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

مجالس مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آب رسانی کا قدرتی نظام اور اسباب رزق کی حدود

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ پاک کی کچھ مخلوق ایسی بھی ہے جو بالکل کاہل یا اپاہج ہے اور اللہ پاک اس کو بھی رزق مہیا فرماتا ہے اس کی مثال مولانا روم نے اپنے اشعار میں دی ہے کہ زمین نہ تو چل سکتی ہے اور نہ جدوجہد کرسکتی ہے اللہ پاک نے اس کی پیاس بجھانے کے لئے بادلوں کو بنایا جو سمندروں سے پانی لاکر اس جگہ پہنچاتے ہیں جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے —— مجھے یاد آیا ابھی کچھ روز قبل محکمۂ موسمیات نے اعلان کیا تھا کہ فلاں جگہ بارش ہوگی لیکن بارش تو ہوئی مگر اس جگہ سے فاصلہ پر اور پھر محکمۂ موسمیات نے اعلان کیا کہ دراصل اس زمین کو جہاں یہ بارش ہوئی ہے زیادہ ضرورت تھی پانی کی، خیر چلو انہوں نے یہ تو مان لیا کہ جہاں زیادہ ضرورت تھی وہاں پر بادل جاکر برسے، لیکن یہ سب کچھ یونہی نہیں ایک باقاعدہ نظام ہے ہر چیز کا قدرت نے ایک نظام بنایا ہے چنانچہ پانی جو زندگی کا اہم ترین جزو ہے ہوسکتا تھا کہ اللہ پاک یہ کہہ دیتے کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ بارش ہوگی اور جس کو جتنی ضرورت ہو پانی لے کر رکھ لے پھر نہ ملے گا تو کیا ہوتا مگر قربان جایئے اس کی رزاقی کے کیا مصلحت آمیز نظام ہے کہ پہلے تو بادل پانی اٹھاکر لیجاتے ہیں سمندر کے کڑوے پانی کو، اوپر جاکر مشینوں سے ٹھنڈا اور میٹھا بناتے ہیں پھر جس جگہ ضرورت ہوتی ہے اس کے حکم اور اندازے کے مطابق برستے ہیں، مجال کیا ہے اس کے خلاف کرجائیں۔

آب رسانی کا قدرتی نظام

آپ کی کراچی کے اوپر سے سارے بادل جہاز کے جہاز پانی کے بھر کر جاتے ہیں ایک بوند تو آپ کو مل جائے اس میں سے بغیر اس کے حکم کے، غرض یہ برسات بھی اتنی کہ ندی نالے، کنوئیں سیراب ہو جائیں زمین تروتازہ ہو جائے کچھ عرصہ تک کام آسکے اتنا پانی برساتے ہیں اور باقی حصہ، پہاڑوں پر جاکر ریزہ روک دیتے ہیں جو برف کی صورت میں جمع ہو جاتا ہے سبحان اللہ پانی کے ذخیرہ کا بھی کیسا انتظام کیا، اگر یونہی پانی کسی جگہ جمع ہو جاتا یا ہمارے آپ کی طرح ٹینکوں میں بھر کر رکھ دیا جاتا تو گل سڑ کر خراب ہو جاتا، یہ نہیں بلکہ برف کی صورت میں جمع کیا پھر آہستہ آہستہ اس کو جب اور جس جگہ ضرورت ہوتی گئی پہاڑوں پتھروں کی رگوں سے سوت کی شکل میں اور آفتاب کی تمازت پگھلا کر دریاؤں کی شکل میں لاکر ہم تک پہنچایا غرض وہی اس مردہ زمین کو پھر زندہ بھی کر دیتے ہیں اب اس سے مطلب یہ نہ نکال لیا جائے کہ کاہل اور عہدی بن کر پڑ جائیں کہ خدا تو رازق ہے وہی دے گا بے شک توکل کا یہ درجہ جن کو حاصل ہے ان کو وہ ایسے بھی غیب سے بھیجکر پالتے ہیں مگر اسباب بنائے اور عقل دی اس وجہ سے کہ ہاتھ پاؤں بلاؤ تم اور روزی عطا کریں گے ہم۔

کوّے اور باز کی حکایت:۔

اس پر ایک واقعہ یاد آیا امام غزالیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص محنت مزدوری کرتا تھا مگر تنگی سے گذارہ ہوتا تھا اس نے ایک دفعہ جنگل میں دیکھا ایک کوّا پڑا ہوا ہے جس کے دونوں بازو بے کار ہیں وہ چل پھر نہ سکتا تھا تھوڑی دیر میں ایک باز آیا اس نے گوشت کا ٹکڑا یا کوئی لقمہ اس کی چونچ میں ڈال دیا اور اڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد اپنی چونچ میں پانی لایا اور وہ بھی اس کوّے کی چونچ میں ڈال کر چلا گیا۔ اس نے سوچا جب وہ ایک کوّے کو اس طرح دیدیتا ہے تو ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔ ہم کو بھی ایسے ہی دیدے گا چنانچہ بیٹھ گئے، جنگل میں جاکر، ایک بزرگ آئے انہوں نے ان سے کہا میاں تم نے جانور دو ہی دیکھے تھے ایک کوّا دوسرا باز تو تم کوّے کیوں بنتے ہو باز کیوں نہیں بنتے کہ خود بھی اپنا پیٹ بھرو اور دوسرں کو بھی کھلاؤ۔ سبحان اللہ کیا مثال دی ہے غرض یہ کہ اسباب اختیار کرنا اور پھر خدا پر توکل کرنا ہی شریعت ہے۔ شریعت نے عام حالات میں اسباب قطع کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

حصولِ رزق میں اختصار کی حدود:۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ طلب میں اختصار کرو اب طلب میں اختصار کی حدود کیا ہیں چنانچہ فرمایا تین چیزیں ہیں ایک تو ذلت سے بچو یعنی کمائی کے لئے کسی کے آگے ہاتھ مت پھیلاؤ جتنا جدوجہد سے مل

جائے اسی پر قناعت کرو، دوسرے انہماک سے بچو یعنی کمانے میں اتنے مستغرق نہ ہو جاؤ کہ نہ بیوی بچوں کے حقوق ادا ہو رہے ہیں نہ مہمان کی خبر ہے نہ پڑوسی کا دھیان ہے بس کمانا کھانا ہی زندگی بنی ہوئی ہے اس سے بچو اور تیسرے تعب سے، بچو یعنی اتنی کاوش کمائی کے لئے نہ کرو کہ تھک کر چور ہو جاؤ یا اپنی صحت پر اثر پڑے، دن رات ایک کر کے لگے ہوئے ہیں کمائی کے پیچھے نہ عبادت کا خیال ہے نہ آخرت کا دھیان نہ ذکر الٰہی کے لئے وقت ہے غرض یہ تین چیزیں بچنے کی ہیں۔

(اتفاق سے تینوں منہیات کے اوّل حروف ذات ہیں راقم نے عرض کیا یعنی ذات کو نہ بھولو شیخ نے فرمایا ہاں اپنی ذات کو) یہ ہے اختصار طلب کا طریقہ تو طلب میں اختصار کرو اور پھر توکل کرو خدا پر بھروسہ رکھو۔

پریشانیوں کا نفسیاتی علاج :-

رہا یہ کہ پھر بھی پریشانیاں باقی رہیں تو اس کے لئے حضرت نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ دنیا کی تمام پریشانیوں سے بچنے کا ایک واحد طریقہ ہے آخر میں تو حکیم الامت کیا حکمت کی بات بتلائی ہے پریشانیوں کو پریشانیاں نہ سمجھو تو کوئی پریشانی باقی نہیں رہتی۔ اب ہم یہ کہیں گے کہ صاحب درد تو ہو رہا ہے اس کو درد نہ سمجھا جائے تو پھر کیا کریں تو آجکل بھی اس زمانہ میں نفسیات کو علاج میں بڑا دخل دیا جا رہا ہے یہاں تو باقاعدہ اس کا شعبہ قائم ہے کہ ہر بیماری کا نفسیات سے علاج ہو رہا ہے۔ نفسیات کیا ہے کہ دماغ کو اس تکلیف سے ہٹا لو تو تکلیف جاتی رہتی ہے یعنی اگر کسی کو بخار ہے اور دوسرے نے کہہ دیا کہ یہ بخار بہت خطرناک ہے تو اب تک تو خطرناک نہ تھا ہاں اب خطرناک بن گیا اسی طرح اگر پریشانی کو یہ سمجھا جائے کہ یہ پریشانی کچھ بھی نہیں ہے تو وہ پریشانی نہیں رہتی۔ بہت سے مریض اور پریشانی میں مبتلا شخص اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو صحت مند اور راحت میں محسوس کر سکتے ہیں اور اصل اس کی یہ ہے کہ دنیا میں جتنے لوگ ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی تکلیف میں گھرا ہوا نہ ہو، ایسا تو کوئی بھی نہیں جس کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں یہ تو صرف خدا کو درجہ حاصل ہے یہاں تک کہ انبیاء کے اوپر بھی پریشانیاں آئیں تو اب یہ سمجھا جائے کہ اللہ پاک نے ہم کو اس پریشانی میں جو مبتلا کیا ہے یہ ان کی مہربانی ہے ورنہ اس سے زیادہ اور پریشانی اور تکلیف دہ چیزیں دنیا میں موجود ہیں ہو سکتا ہے ہم کو اس سے نکال کر اس سے زیادہ خطرناک پریشانی میں مبتلا کر دیں جو دنیوی نہیں تو دین کے لحاظ سے خطرہ کا باعث ہوں، چونکہ ظاہری امراض تو انسان دیکھ سکتا ہے اور اس کا علاج بھی کر سکتا ہے مگر باطنی روگ ایسے ہیں کہ اللہ ان سے محفوظ رکھے۔ عجب، کبر، حسد، غیبت، بے ایمانی، بے انصافی، دل آزاری یہ ایسے روگ ہیں کہ نظر بھی نہیں آتے اور انسان ان کو جب اپنے اندر محسوس ہی نہیں کرتا تو پھر علاج کس طرح کرائے گا غرض باطنی بیماریاں زیادہ خطرناک ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک بیماری یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ ہم کو باطن کا کوئی روگ نہیں۔

باطنی امراض سے بچنے کا طریقہ

اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ہمارے اندر باطنی روگ ہیں اور ان کا علاج کیا ہے تو حکیم الامت ؒ نے اس کے معلوم کرنے کا بھی ایک تھرمامیٹر دیا ہے جس سے اندر کا بخار بھی پتہ چل جائے وہ یہ کہ اگر تم کوئی طاعت کرتے ہو، کوئی نیک کام کرتے ہو تو یہ سوچ کر دل میں عجب پیدا نہ ہو جائے کہ ہم نے فلاں نیک کام کر لیا یا ہم بڑے دیندار ہو گئے، اس میں یہ سوچ لیا کرو کہ جیسا اس طاعت یا نیکی کا حق تھا ہم نے ویسا ہی اس کو کر لیا ہے یا نہیں ظاہر ہے کہ طاعت اور نیکی جیسا کہ اس کا حق ہے ہم جیسے ناقصوں سے ادا نہیں ہو سکتا تو اس سے عجب یا کبر ہی پیدا نہ ہوگا بلکہ اس سے اور اعلیٰ کرنے کی فکر پیدا ہو جائے گی اور دراصل اس فکر ہی سے انسان متوجہ ہو جاتا ہے اللہ کی طرف اور اللہ پاک اس کے عجز کو ہی شرف قبولیت عطا فرما دیتے ہیں حاصل اس کا یہ ہے کہ مشکلات کے دور ہونے کے لئے اللہ پاک سے دعا بھی کریں اور استغفار بھی کثرت سے کریں اور اللہ پاک جس حالت میں رکھے اس میں صابر و شاکر رہیں اور اللہ پاک کے سامنے اپنی کوتاہیوں کا ہر وقت اعتراف کریں اور معصیت سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگیں، اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

۲۴ رجب ۶۶ء بروز جمعہ

اہلِ دُنیا اور اہل اللہ کے عیش کا فرق

حضرت مولانا شاہ محمد اختر

۹ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۷۴ء کو حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا بعض احباب کی دعوت پر سفر حیدرآباد ہوا تھا، حافظ عبدالقدیر صاحب مالک مکتبہ اصلاح و تبلیغ کے مکان پر کچھ احباب جمع ہوگئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا کہ،

بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے جسم پر دو ہزار کا لباس ہے اور دو لاکھ کی کار میں ان کا جسم بیٹھا ہوا ہے لیکن ان کا دل ویران ہے۔ حق تعالیٰ کے تعلق اور محبت سے بالکل خالی ہے۔ اللہ کے نزدیک ان کے دل کی کوئی قیمت نہیں ہے اور بعض بندے ایسے ہیں کہ ان کے جسم پر پیوند لگے ہوئے ہیں اور کھانے میں چٹنی روٹی ہے لیکن ان کے سینوں میں جو دل ہے وہ حق تعالیٰ کے قرب و معیت سے اس قدر قیمتی ہوگیا کہ وہ ایک دل اللہ کے نزدیک لاکھوں غافل اجسامِ انسانیہ سے زیادہ محبوب فائق تر اور قیمتی ہے اور حق تعالیٰ کے تعلق کے فیض سے چٹنی روٹی اور افلاس میں ان کے دلوں کو وہ چین نصیب ہے کہ بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا، برعکس جو خدا سے غافل ہیں۔ ان کا جسم اگرچہ کار میں بیٹھا ہوا ہے اور دو ہزار کا سوٹ زیب تن کیا ہوا ہے اور زبان پر مرغ اور بریانی کا لقمہ ہے لیکن دل بے چین اور بے سکون ہے۔ معلوم ہوا کہ باہر کی چیزیں دل کو سکون نہیں دے سکتیں۔ اندر اگر سکون ہے تو باہر کی چیزیں کار، بنگلہ، بیوی، بچے اور عمدہ غذائیں اچھی معلوم ہوتی ہیں

اور اگر دل میں سکون نہیں ہے تو باہر کی چیزیں کانٹا معلوم ہوتی ہیں پھر بیوی بچے بھی اچھے نہیں لگتے۔ کار اور بنگلہ بھی اچھا نہیں لگتا۔ مرغ اور کباب کا لقمہ بھی زہر معلوم ہوتا ہے ؎

دل گلستاں تھا تو ہر شئے سے ٹپکتی تھی بہار
دِل بیاباں ہوگیا، عالم بیاباں ہوگیا

اہلِ دنیا کے لئے دنیا عذاب اس لئے ہوگئی کیونکہ دنیا کی محبت ان کے دل میں داخل ہوگئی ورنہ اہل اللہ کے پاس اگر دنیا آتی بھی ہے تو وہ دنیا کو دل سے باہر رکھتے ہیں۔ ان کے دل میں صرف اللہ ہوتا ہے اور ہر وقت حق تعالیٰ کے قربِ خاص، تعلق خاص اور معیت خاصہ سے مشرف ہوتا ہے۔ ایسے دل کو اگر پوری دنیا کی سلطنت و بادشاہت بھی مل جائے اور وہ پوری کائنات پر سلطنت و حکمرانی کرے لیکن کائنات اس کے سامنے بے قدر محکوم اور مغلوب ہوتی ہے۔

کیونکہ سورج کا ہم نشین ستاروں سے کب مرعوب ہوسکتا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور مجالست یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کی توفیق اور ان کی محبت کی لذت و حلاوت نصیب ہوگئی ساری کائنات کی لذتیں اس کے سامنے ہیچ و بے قیمت ہوجاتی ہیں۔

چو سلطان عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم در کشد

وہ سلطان حقیقی جس دل پر اپنی معیت خاصہ کا انکشاف فرما دیتا ہے، ساری کائنات مع لذتوں کے جیب عدم میں اپنا سر ڈال دیتی ہے اس لئے وہ دل پوری کائنات اور معاشرہ کی رفتار اور گمراہی پر غالب رہتا ہے کیونکہ اس پر حق تعالیٰ کی محبت چھا گئی اس لئے پوری کائنات اور زمانہ پر چھا گیا ؎

میرا کمال عشق بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

اس لئے آدمی عین امارت و بادشاہت کی حالت میں اللہ کا ولی ہوسکتا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ والے دُنیا چھڑاتے ہیں حالانکہ اللہ والے دنیا نہیں چھڑاتے وہ تو ہمیں دونوں جہاں کی بادشاہت دینا چاہتے ہیں، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جو ذات دونوں جہاں کی مالک ہے اس کو راضی کرلو تاکہ دنیا کی زندگی میں بھی عیش مل جائے جس پر بادشاہ رشک کریں اور جنت کی دائمی سلطنت بھی مل جائے۔

جو شخص دونوں جہاں کے مالک کو راضی کرلیتا ہے تو وہ مالک دوجہاں بھی اس کی زندگی کو عیش اور سکون والی بنادیتا ہے اور کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا کوئی کفو نہیں

ہے وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ کوئی ان کی ہمسری اور برابری کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے ان کے نام پاک کی لذت کا بھی کوئی کفو اور کوئی بدل نہیں ہے حتیٰ کہ جنت کی نعمتیں بھی اللہ کے نام کی لذت کی برابری و ہمسری نہیں کر سکتیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ والے دنیا کے عوض بکتے نہیں کیونکہ ان کے دل اس عیش سے مشرف ہیں جس کا دونوں جہان میں کوئی کفو اور بدل اور ہمسر نہیں ہے برعکس اہل دنیا جو مٹی اور پانی کی چیزوں سے لذت و عیش درآمد کر رہے ہیں ان کا جرعۂ عیش بھی نحوست معاصی کی وجہ سے زہر اور تلخ ہو جاتا ہے۔

دشمنوں کو عیش آب و گل دیا
دوستوں کو اپنا دردِ دل دیا
ان کو ساحل پر بھی طغیانی ملی
مجھ کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

آخر کے یہ شعر تقریباً بارہ سال بعد ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۳ جنوری ۸۶ء بروز جمعہ بعد نماز عصر ریل میں سندھ حیدر آباد ہی کے دینی سفر کے دوران ارشاد فرمائے ہیں چونکہ مندرجہ بالا مضمون کے مناسب تھے اس لئے لکھ دیئے گئے۔

باپردہ عورتوں کی فضیلت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اُسے شیطان تکنے لگتا ہے، اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اُس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔ (الترغیب والترھیب)

اسلام نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے اندر رہیں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے گھر سے نکلنا ہو تو خوب زیادہ پردے کا اہتمام کرے، خوشبو لگا کر نہ نکلے اور راستہ کے درمیان نہ چلے، نگاہیں نیچی رکھے، بن ٹھن کر نہ نکلے۔

لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کے اخراجات برداشت کئے اور اُن کو ادب سکھلایا اور رحم وشفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اُس کے خرچ سے بے نیاز ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنّت واجب فرمادیں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں جن کی پرورش کی ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا "اس کے لئے بھی یہی فضیلت ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ اگر ایک لڑکی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ ایک کے لئے بھی یہی فضیلت بتاتے۔ (مشکوٰۃ)

حضورؐ نے فرمایا کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی لڑکی پر خرچ کرو، جو طلاق کی وجہ یا بیوہ ہو کر تمہارے پاس (شوہر کے گھر سے) واپس آگئی کہ تمہارے علاوہ کوئی اس کے لئے کمائی کرنے والا نہیں ہے۔

مولانا عبداللہ میمن

زندگی میں تقسیم جائیداد

ایک لمحہ فکریہ

اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں اولاد کی فطری محبت ودیعت رکھی ہے۔ اسی محبت کے نتیجے میں والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ پیدائش سے لیکر لڑکپن اور پھر جوانی تک ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اولاد کی تکلیف اور بیماری کا احساس ان کو اپنی تکلیف اور بیماری سے زیادہ ہوتا ہے۔ اپنے اوپر تکلیف برداشت کرنا گوارہ کرلیں گے۔ لیکن اولاد کو تکلیف سے دور رکھیں گے، ان کی خواہش کو پورا کیا جاتا ہے بعض اوقات خواہش پوری کرنے کے لئے قرض بھی لے لیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض والدین اولاد کی خواہش پوری کرنے میں شریعت کا لحاظ بھی نہیں رکھتے اور حدود شریعت سے باہر نکل جاتے ہیں۔ لیکن اولاد کی محبت میں اتنا آگے بڑھ جانا کہ شریعت کے احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے، جائز نہیں۔

باپ کا اپنی زندگی ہی میں اپنی جائیداد کا اولاد کے درمیان تقسیم کرنا کیسا عمل ہے؟ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر تقسیم کے وقت کن پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیئے اور کن آداب کا لحاظ رکھنا چاہیئے؟ اور پھر انتقال کے وقت دوبارہ وراثت کا عمل جاری ہوگا یا نہیں! ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینا مناسب ہوگا۔

اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی تمام جائیداد یا اس کا کچھ حصہ اپنی اولاد میں تقسیم کرنا چاہے، تو شرعاً اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے البتہ زندگی میں تقسیم کے وقت میراث کی تقسیم کا جو اصول ہے کہ:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ (لڑکے کیلئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے)

اس پر عمل نہیں ہوگا، بلکہ لڑکے اور لڑکیاں اس تقسیم میں برابر کے حقدار ہوں گے لڑکے کو لڑکی پر فوقیت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ تمام اولاد کے درمیان برابری اور مساوات کو ملحوظ رکھا جائے گا، ہاں! اگر اولاد

میں سے کوئی زیادہ خدمت گذار ہے، یا دیندار ہے، اور نمازی پرہیز گار ہے، یا وہ علم دین حاصل کر رہا ہے، تو اس کی خدمت گذاری یا دینداری کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فوقیت دیتے ہوئے تقسیم کے وقت اس کو زیادہ حصہ دینا بھی جائز ہے۔ البتہ تقسیم کے بعد اس کا خیال رکھے کوئی بیٹا اس جائیداد کو بیچ کر کھا پی برابر نہ کر دے، ——— اور پھر دوبارہ باپ کے سر ہو جائے کہ جو حصہ آپ کے پاس ہے، وہ بھی مجھے دیدیں۔

لہذا شرعی لحاظ سے تقسیم کا یہ عمل نہ تو ناجائز اور حرام ہے، اور نہ ہی واجب اور ضروری ہے، بلکہ مباح ہے۔ لیکن اگر کوئی باپ یہ سمجھتا ہو کہ میرے بعد اولاد شرعی تقسیم میں کوتاہی کریگی یا اسمیں لڑائی جھگڑا ہوگا۔ اور اس نیت سے تقسیم جائیداد اپنی زندگی میں کر دے کہ بیٹوں کے درمیان بعد میں کوئی لڑائی جھگڑا اور خون خرابہ نہ ہو۔ تو امید ہے کہ انشاء اللہ یہ عمل مستحسن اور موجب اجر بھی ہوگا

جائیداد کی تقسیم کے وقت اس پہلو کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیئے کہ تمام جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کر کے خود خالی ہاتھ نہ ہو جائے، بلکہ اپنی رہائش اور ضروریات کے لئے کچھ حصہ اپنی ملکیت میں ضرور رکھنا چاہیئے اس لئے کہ اگر اس نے تمام جائیداد تقسیم کر دی اور اپنی ملکیت میں کچھ بھی نہیں رکھا، تو وہ باپ اپنے بیٹوں کا دست نگر اور محتاج بن کر رہ جائے گا۔ بیٹا سمجھے گا کہ یہ جائیداد اب میری ملکیت ہے، میں جس کو چاہوں گا اپنے ساتھ رکھوں گا، اب باپ پریشان ہوتا ہے۔ کبھی ایک بیٹے کے پاس، کبھی دوسرے بیٹے کے پاس جاتا ہے، لیکن کوئی ساتھ رکھنے کے لئے تیار نہیں، اسلئے کہ موجودہ ماحول میں باپ کی عزت اس کا احترام، اس کی خدمت اس وقت تک کی جاتی ہے۔ جب تک اس سے مادی منافع حاصل ہو رہے ہوں۔ یا وہ کسی جائیداد کا مالک ہو۔ جہاں اس قسم کی کوئی چیز نہ ہو، وہاں تمام خدمات اور تمام ادب احترام رخصت ہو جاتے ہیں۔ وہی باپ جس نے محنت مشقت اور تکالیف برداشت کر کے پالا، پوسا، بڑا کیا، آج اسی باپ کو وبال جان خیال کرنے لگتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر والد اپنی ضرورت کے لئے جائیداد کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھے تو وہ اپنی اولاد کا دست نگر اور محتاج نہ رہے گا۔ بلکہ اس صورت میں ہر بیٹا یہ کوشش کرے گا کہ میں باپ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کروں۔ تاکہ کسی وقت باپ مہربانی کر کے یہ حصہ بھی میرے نام کر دے۔ اور میں اس کا بھی مالک بن جاؤں۔

تقسیم جائیداد کے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس تقسیم کے نتیجے میں کوئی اولاد بلاوجہ محروم نہ ہو جائے، ہاں نافرمانی اور نافرمان ہونے کی وجہ سے اگر زندگی کی تقسیم کے وقت جائیداد سے محروم کر دیا گیا تو اس کی گنجائش ہے، لیکن بلاوجہ کسی اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ؎

؎ خلاصۃ الفتاوی، ج ۴ ص ۴۰۰۔ فتاوی عالمگیریہ ج ۴

اگر باپ کے پاس اتنی بڑی جائیداد نہیں ہے کہ اس جائیداد کے حصے کرکے تمام اولاد میں تقسیم کرسکے، بلکہ اس کی ملکیت میں کوئی چھوٹا سا مکان ہے۔ یا تھوڑی سی زمین ہے۔ اس صورت میں باپ کے حق میں بہتر ہے کہ اس کو تقسیم کرے، بلکہ اپنی ہی ملکیت میں رکھے۔ تاکہ وہ خرابی پیدا نہ ہو جو اوپر ذکر کی گئی ہے جہاں تک موت کے بعد اولاد کی لڑائی جھگڑے کا تعلق ہے۔ اس کو ختم کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرے کہ وہ کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کردے۔ وہ وصی اس کی موت کے بعد کسی عالم سے پوچھ کر شریعت کے مطابق اس کی جائیداد اس کے شرعی وارثین میں تقسیم کردے، اس طرح کرنے سے جھگڑے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور زندگی میں جائیداد بھی اپنی ملکیت میں رہے گی۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد اپنی زندگی میں تقسیم کردے۔ تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث تقسیم ہوگی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میراث کا تعلق صرف جائیداد سے نہیں ہے۔ بلکہ موت کے وقت جو چیز بھی اس کی ملکیت میں ہوگی۔ خواہ وہ چیز کسی صورت میں ہو مثلاً جائیداد، نقد روپیہ، سونا چاندی، کپڑے دوسری استعمالی اشیاء جو اس کی ذاتی ملکیت میں داخل ہوں، وہ سب میراث کا حصہ ہیں، موت کے بعد یہ سب اشیاء شریعت کے مطابق اس کے شرعی وارثین میں تقسیم ہو جائیں گی۔

بعض لوگ زندگی میں اپنے بیٹے کو "عاق" کردیتے ہیں اور اخبارات میں یہ اعلان دیدیتے ہیں کہ "میں نے اپنے فلاں بیٹے کو عاق کردیا ہے، اب اس کے کسی لین دین کا میں ذمہ دار نہیں"۔ ذمہ دار نہ ہونے کی حد تک یہ عاق کرنا تو درست ہے لیکن اس عاق نامے کے بعد یہ سمجھنا کہ وہ اب باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔ یہ درست نہیں۔ بلکہ باپ کے مرنے کے بعد وہ بھی دوسرے وارثین کے ساتھ مال میراث میں شرعی حق کا وارث ہوگا۔

نام کتاب "قلب"

مؤلف: شیخ احمد عزالدین البیانونی

مترجم: مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار

صفحات: ۶۴، طباعت و کاغذ عمدہ۔

ناشر: دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر ایک خاص مقصد سے اس دنیا میں بھیجا ہے اور اس کو صحیح راستہ پر قائم رکھنے کے لئے انبیاء کرام اور کتب سماوی نازل فرمائیں تاکہ انسان اپنے مقصد بعثت کو فراموش کر کے دنیا کی رنگینیوں میں اپنی دنیا و آخرت کو تباہ و برباد نہ کر لے۔

اس کیساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک ایسا ٹکڑا پیدا فرمادیا جس کی درستگی میں انسان کی جسمانی اور روحانی حیات ہے اور اس کے فساد میں جسمانی و روحانی فساد، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہے اور اگر وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ قلب ہے۔

سکون قلب اور اس کی اصلاح کے لئے عرب دنیا کے معروف مصلح اور داعی شیخ احمد عزالدین البیانونی نے زیر نظر مختصر رسالہ تالیف فرمایا ہے جسمیں اسی کے قریب آیات قرآنی کی روشنی میں دل کا مقام وہ کس کے قبضہ میں ہے؟ ایمان کا محل کیا ہے؟ دل کا سکون کس طرح حاصل ہو گا؟ اللہ تعالیٰ کے

قرب و بعد کا ذریعہ کیا ہے ؟ دلوں کی اقسام ، اس کے روحانی امراض اور ان کا علاج اور اس جیسے متعدد عنوانات زیر بحث لائے ہیں ۔

مواد کی عمدگی اور اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب نے قلب کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اردو کی اصلاحی کتب کے ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ فرمایا ہے ۔

یہ مختصر رسالہ عوام اور اہل علم دونوں کے لئے بہت مفید ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کو دلوں کے زنگ کو دور کرنے اور عامۃ الناس کی اصلاح کا ذریعہ بنائے ۔ آمین (ق ۔م ۔ا)

نام کتاب :۔ **عُلمائے مبلغین اور مجاہدین کے نام**

مولف : شیخ عبداللہ ناصح علوانؒ مترجم : مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار

صفحات : ۸۰ ، کتابت و طباعت عمدہ ۔ ناشر : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

کسی بھی معاشرہ کی اصلاح و فساد کا تعلق اس معاشرہ کے اہل علم کے اصلاح و فساد سے بہت گہرا ہوتا ہے ۔ بطور خاص اسلامی معاشرہ کو صحیح عقائد و نظریات اور افکار و اعمال پر قائم رکھنا علمائے مبلغین کی ذمہ داری ہوتی ہے ۔ اس اہم ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے علمائے کرام کو مسلسل جدوجہد کے ساتھ ساتھ بڑی سے بڑی قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں بغیر عظیم قربانیوں کے معاشرہ اس نہج پر قائم نہیں رہ سکتا جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے ۔

علمائے کرام انبیاء کے وارث ہیں اور یہ وراثت مال و دولت کی نہیں بلکہ علم و قربانیوں کی ہے جب تک علمائے مبلغین میں قربانی کا وہ جذبہ باقی رہے گا جو انبیاء کرام اور صلحائے امت میں تھا اس وقت تک وہ انبیاء کے صحیح جانشین کہلائیں گے ۔

علمائے کرام کا جدوجہد ، ایثار و قربانی ، اخلاص و تقویٰ اور اتحاد و اتفاق پر قائم رہنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے جو حضرات اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے ۔

آج کے اس پر آشوب دور میں علمائے مبلغین اور مجاہدین کو اپنی مسئولیت سے کس طرح عہدہ برآ ہونا چاہیئے اور انہیں کیا طریقہ اپنانا چاہیئے مشہور عالم اور داعی شیخ عبداللہ ناصح علوان کے رسالہ کا موضوع ہے ۔ جس کا بہترین سلیس ترجمہ مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب نے " علمائے مبلغین اور مجاہدین کے نام " سے کیا ہے ۔

رسالہ کے شروع میں امت مسلمہ کی پستی اور خستہ حالی کی وجہ بتائی گئی ہے پھر اسلاف کی زندگی سے چند نمونے پیش کر کے علمائے مبلغین کو اس نہج پر کام کرنے کی تلقین کی گئی ہے ۔ جابجا بہترین اصلاحی

اشعار کو بھی ذریعۂ ترغیب بنایاگیا ہے ۔ رسالہ اپنے موضوع اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور دین کے لئے جد وجہد اور قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے ۔ (ق ۔ م ۔ ا)

نام کتاب : **المختصر للقدوری مع حلہ المسمیٰ التوضیح الضروری**

تالیف : الشیخ الامام الاجل الزاهد ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقدوری

حاشیہ : العلامۃ المقدام والفهامۃ الهمام مولانا حافظ محمد اعزاز علی قدس سرہ الفقیہ الادیب بدار العلوم الدیوبندیہ ۔ سائز ۳۰×۲۰/۸ کل صفحات ۲۴۸ ۔ قیمت درج نہیں

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ ۔ بیرون بوہڑگیٹ ۔ ملتان ۔

مدارس عربیہ کے نصاب میں "مختصر القدوری" داخل ہے ۔ اس کتاب کی جامعیت اور اسلوب اور اختصار طلبہ کے لئے باعث کشش ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ برسوں سے یہ کتاب درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے ۔

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ فقہ وادب دار العلوم دیوبند نے طلبہ کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر اس کتاب کا حاشیہ عربی زبان میں تحریر فرمایا ۔ مولانا موصوف اس سے قبل نور الایضاح اور کنز الدقائق کا حاشیہ بھی لکھ چکے تھے ۔

آپ نے حاشیہ میں فقہ کی مستند ومسلم کتابوں سے مسئلہ کا خلاصہ درج فرمادیا ہے جس سے مسئلہ کی اہمیت واضح ہوگئی ہے ۔ جہاں عبارت میں مشکل پیش آئی ہے وہاں تشریح فرمادی ہے ۔ نیز حاشیہ پر صورت مسئلہ ، مختلف فیہ اقوال مذاہب میں ترجیحی قول نقل فرماکر مسئلہ کو واضح فرمایا ہے ۔ حاشیہ ہر طرح سے مفید ہے اور مختصر انداز میں مسئلہ کے صحیح پہلو کو اجاگر کرکے طلبہ کے لئے کتاب کا سمجھنا آسان بنادیا ہے ۔ یہ حاشیہ دیوبند سے شائع ہوتا رہا ۔ اور اسکی مانگ مدارس میں ہر وقت ہے اس ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد اسحٰق صاحب مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے اس کا عکس لے کر عمدہ کاغذ پر بہترین انداز میں شائع فرمایا ہے اس طرح یہ کتاب پاکستان میں بھی بآسانی دستیاب ہونے لگی ہے ۔ امید ہے مدارس عربیہ کے کارپردازان اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ خرید فرماکر ناشر کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے تاکہ ناشر مزید ضروری اور مفید کتابیں شائع کرسکیں ۔ اللہ تعالیٰ ناشر و معاونین کو دنیا وآخرت کی فوز وفلاح سے نوازے اور مصنف اور محشی کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور طلبہ مدارس عربیہ کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔ (ا ۔ ا ۔ خ ۔ س)